الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خاں

دوسرے کی جان اور مال اور عزت کو بے قیمت سمجھنا
ہمیشہ اس قیمت پر ہوتا ہے کہ آدمی کی اپنی جان اور
مال اور عزت اللہ کی نظر میں بے قیمت ہو جائے

شمارہ ۴۷
اکتوبر ۱۹۸۰

زرِ تعاون سالانہ ۲۴ روپے
خصوصی تعاون سالانہ ایک سو روپے
بیرونی ممالک سے ۱۵ ڈالر امریکی

قیمت فی پرچہ
۲ روپے

الرسالہ

اکتوبر ۱۹۸۰
شمارہ ۴۷

جمعیۃ بلڈنگ ، قاسم جان اسٹریٹ ، دھلی ۶ (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک پکار

الرسالہ کی مطبوعہ قیمت دو روپے ہے۔ ایجنسی میں کمیشن اور پوسٹیج وغیرہ کا خرچ نکالنے کے بعد عملاً ادارہ کو فی پرچہ صرف ایک روپیہ ملتا ہے۔ موجودہ مہنگائی کے زمانہ میں یہ سراسر خسارہ کی صورت ہے۔ مگر الرسالہ جس تعمیری اور اصلاحی مقصد سے نکالا گیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ اس کی قیمت میں اضافہ نہ کیا جائے۔ اب اگر قیمت میں اضافہ نہ کیا جائے تو اس مسلسل خسارہ کو پورا کرنے کی صورت کیا ہو۔ اس کی سب سے بہتر صورت وہی ہے جو جدید دور میں تمام منظم مذاہب اختیار کرتے ہیں۔ یعنی اعانتی رقم (سب سڈی) کے ذریعہ اس کو پورا کرنا۔ الرسالہ کے ہمدرد اور صاحب استطاعت افراد سے ہماری اپیل ہے کہ وہ اس مد میں مسلسل اتنی رقم دیں جس سے خسارہ کی تلافی ہو سکے اور رسالہ موجودہ قیمت پر نکلتا رہے ——— واضح ہو کہ اس مد میں اعانت کے علاوہ زکوٰۃ وصدقات وغیرہ کی رقمیں بھی دی جا سکتی ہیں۔

ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مسئول نے جے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ سے شائع کیا

اسلام زندگی کا ضمیمہ نہیں

پانی کے گلاس میں پتھر کا ایک ٹکڑا ڈالیں تو وہ اس کے اندر اتر کر ایک کنارے بیٹھ جائے گا۔ وہ پانی میں ہوگا مگر پانی سے الگ ہوگا۔ پتھر پتھر رہے گا اور پانی پانی۔ مگر اسی گلاس میں جب آپ رنگ ڈالتے ہیں تو رنگ اور پانی دونوں مل کر ایک ہوجاتے ہیں۔ اب پانی رنگ سے الگ نہیں ہوتا بلکہ دونوں اس طرح مل جاتے ہیں کہ باہر سے دیکھنے والا ان میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتا۔

اسلام کا معاملہ اور آدمی کا معاملہ پتھر اور پانی جیسا معاملہ نہیں ہے بلکہ وہ رنگ اور پانی جیسا معاملہ ہے۔ مسلمانوں کی زندگی میں اسلام ایک علیحدہ ضمیمہ کی طرح نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کی پوری ہستی میں سما جاتا ہے۔ وہ اس کے جذبات میں شامل ہو کر اس کے دل کی دھڑکن بن جاتا ہے۔ وہ اس کی سوچ میں اس طرح داخل ہوتا ہے کہ اس کا ذہن اسی کے مطابق ڈھل جاتا ہے۔ اسلام اس کی آنکھ بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔ وہ اس کی زبان بن جاتا ہے جس سے وہ بولتا ہے۔ وہ اس کا ہاتھ پاؤں بن جاتا ہے جس کے تحت وہ دنیا میں اپنی تمام کارروائیاں کرتا ہے۔ اسلام وہی ہے جو آدمی کے اوپر اس طرح چھا جائے کہ اس کی کوئی چیز اس سے باہر نہ رہے۔ اس کے ہر بول میں اسلام کی جھلک ہو۔ اس کا ہر عمل اسلام کے رنگ میں رنگا ہوا ہو۔

جو اسلام پانی میں پتھر کی طرح رہے وہ اسلام نہیں ہے۔ اسلام وہی ہے جو پانی کے اندر رنگ کی طرح گھل جائے۔ آدمی کو کسی سے محبت ہو تو اس کا پورا وجود اس سے محبت کرتا ہے۔ اس کو کسی سے نفرت ہو تو اس کا پورا وجود اس سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص اسلام کو حقیقی معنوں میں اپناتا ہے تو وہ اس کے پورے وجود کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ وہ کہیں بھی اسلام سے الگ نہیں ہوتا اور نہ اسلام اس سے۔

مشینی ذہانت

کمپوٹر ایک قسم کی مشین ہے جس کو انتہائی طویل اور پیچیدہ حسابات کے حل کرنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ہزاروں ریاضی داں مل کر جس حساب کو کئی دن میں حل کریں گے اس کو ایک کمپوٹر حد درجہ صحت کے ساتھ ایک سکنڈ سے بھی کم عرصہ میں حل کر دیتا ہے۔ کمپوٹر کے یہ کارنامے دیکھ کر بہت سے لوگوں نے سمجھا کہ اب سائنس اپنی ترقی کے اس مقام پر پہنچ چکی ہے کہ وہ "مشینی دماغ" کو تیار کر سکے۔ اس کا مطلب صرف یہی نہیں تھا کہ ایک چیز جو ابھی تک صرف قدرت کے کارخانہ میں بنتی تھی وہ انسانی کارخانوں میں تیار ہونے لگے گی۔ اس کا ایک فلسفیانہ پہلو بھی تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ کائنات کے نظام کے لئے کسی شعوری وجود کو ماننے کی ضرورت نہیں۔ ایک مشینی دماغ جس طرح نہایت صحت کے ساتھ مختلف واقعات کو رونما کر سکتا ہے اسی طرح کائنات کا مشینی کارخانہ بھی، اپنے مشینی نظام کے تحت خود بخود چلا جا رہا ہے، اس سے ماورا کوئی شعوری ہستی نہیں جو اس کو چلانے والی ہو۔ تاہم گہرے مطالعہ اور تجربہ نے اس خوش فہمی کو بے بنیاد ثابت کر دیا ہے۔ ایک ماہر نے لکھا ہے:

> The question of artificial intelligence remains mainly unresolved. It is easy for instance, to design a computor which will learn as it goes along and thus come closer and closer to the brain. Nevertheless the lead must come from biological, and not mechanical, intelligence. Thus all these instruments radio-telescope, accelerators, spectrometers, computors- are merely adjuncts to the human brain.

مصنوعی ذہانت کا مسئلہ بنیادی طور پر ابھی تک غیر حل شدہ ہے۔ مثال کے طور پر یہ آسان ہے کہ ایک ایسا کمپوٹر بنایا جائے جو قریب قریب وہی کچھ کرنا سیکھ لے جو انسان کا دماغ کرتا ہے۔ تاہم اس کمپوٹر کو رہنمائی دینا پھر بھی حیاتیاتی ذہانت کا کام رہے گا نہ کہ کسی مشینی ذہانت کا۔ اس طرح کمپوٹر کی قسم کے تمام اوزار محض انسانی دماغ کے لاحقے ہیں (ٹائمس آف انڈیا ۲۷ فروری ۱۹۸۰)

مشینی ذہانت کے بارے میں اس تجربہ نے ان لوگوں کو سخت مایوس کیا ہے جو یہ امید قائم کئے ہوئے تھے کہ انسان کو بھی اسی طرح ایک خود کار قسم کا مشینی حیوان ثابت کیا جا سکتا ہے، اور پھر خدا کو ماننے کی کوئی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ مگر مشینی انسان کا اپنی کارکردگی کے لئے زندہ انسان کا محتاج ہونا ثابت کرتا ہے کہ انسان کی ہستی کی توجیہہ ایک بالاتر ہستی کو مانے بغیر ممکن نہیں۔ زندہ انسان کے بغیر مشینی انسان کا کوئی وجود نہیں، اسی طرح خدا کو تسلیم کئے بغیر انسان کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ مشینی ارتقا اپنے آپ تخلیقی ارتقار کی تردید کر رہا ہے۔

عمل کے درجے ہیں

ابو امامہ صُدَیّ بن عَجْلان الباہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک دو قطروں اور دو نشانات سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں۔ آنسو کا قطرہ جو اللہ کے ڈر سے نکلا ہو اور خون کا قطرہ جو اللہ کی راہ میں بہے۔ اور دو نشانات میں سے ایک نشان وہ ہے جو اللہ کی راہ میں لگے اور دوسرا نشان وہ ہے جو اللہ کے فرائض میں سے کسی فرض کی ادائگی میں پڑا ہو (لیس شیئٌ احبَّ الی اللہِ تعالیٰ من قطرتینِ واثرین۔ قطرۃِ دُموعٍ من خشیۃِ اللہ وقطرۃِ دمٍ تُهراقُ فی سبیلِ اللہ۔ وامّا الاثرانِ فاثرٌ فی سبیلِ اللہ تعالیٰ واثرٌ فی فریضۃٍ من فرائضِ اللہ تعالیٰ، رواہ الترمذی)

ہر عمل کے درجے ہوتے ہیں۔ آدمی کسی عمل میں جتنا زیادہ اپنے آپ کو شامل کرے، اس کو کرنے کے لئے اسے جتنا زیادہ مشقت برداشت کرنی پڑے اتنا ہی اس عمل کا درجہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ کوئی عمل محض اپنے ظاہر کے اعتبار سے خدا کے یہاں درجہ والا نہیں بنتا بلکہ اس نفسیاتی حالت کے اعتبار سے بنتا ہے جس کے تحت کسی نے اس عمل کو انجام دیا ہے۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ انسان کے عمل کی نیکی بڑھتی ہے۔ یہاں تک کہ دس گنا سے سات سو گنا تک پہنچ جاتی ہے (کل عمَلِ ابنِ آدمَ یُضاعَفُ الحسنۃُ بعشرِ امثالہا الی سبعمائۃِ ضِعفٍ، مسلم)

یہی معاملہ مذکورہ چیزوں کا بھی ہے۔ خواہ آنسو یا خون کا قطرہ ہو یا کوئی عبادتی نشان، اس کے بھی درجات ہیں۔ اور درجات کے لحاظ سے ان کا ثواب بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ایک آنسو وہ ہے جو جلسۂ عام میں کسی کی آنکھ سے نکلتا ہے۔ یقیناً اس کا بھی ثواب ہے۔ مگر وہ آنسو جو تنہائی میں اللہ کو یاد کر کے آنکھوں سے ٹپک پڑے اس کا درجہ اور بھی زیادہ ہے۔ ایک آنسو وہ ہے جو مشکلات و مصائب کے وقت نکلتا ہے۔ اس پر بھی آدمی کو ثواب ملے گا مگر اس آنسو کا درجہ اور بھی زیادہ بڑا ہے جو کامیابیوں کو دیکھ کر رازقِ حقیقی کے لئے نکل پڑے۔ ایک آنسو وہ ہے جو اپنے مسائل و معاملات کو سوچ کر نکلتا ہے۔ اس کا بھی ثواب ہے۔ مگر ان آنسوؤں کے درجہ کا کون اندازہ کر سکتا ہے جو اللہ کی دنیا میں اللہ کی کارگیری کو دیکھ کر ایک بندہ کی آنکھ سے بہہ پڑتے ہیں۔

یہی معاملہ "خون" کا ہے۔ ایک خون کا قطرہ وہ ہے جو فوری مقابلہ کے وقت چوٹ کھا کر

آدمی کے جسم سے نکلتا ہے۔ یقیناً اللہ کے یہاں اس کا ثواب ہے۔ مگر اللہ کا ایک بندہ جب اللہ کی راہ میں برسہا برس تک مشقتیں اٹھاتے ہوئے اپنے خون کو خشک کرتا ہے تو اس کا ثواب اور بھی زیادہ ہے۔ ظالموں کا ایک گروہ آدمی کے جان ومال پر حملہ کرتا ہے اور وہ اس کے دفاع میں اپنے جسم کو زخمی کر لیتا ہے یا شہید ہو جاتا ہے تو اس خون بہانے کا بھی ثواب ہے۔ مگر جب اللہ کا ایک بندہ یہ سوچ کر تڑپ اٹھتا ہے کہ لوگ جہنم کی طرف چلے جارہے ہیں اور لوگوں کو جہنم سے بچانے کی جدوجہد میں وہ اپنے جسم کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ دیتا ہے تو یہ اتنا بڑا عمل ہوتا ہے کہ اس کی بڑائی کو ناپنے کے لئے سارے گز چھوٹے ہو جاتے ہیں اور اس کو تولنے کے لئے سارے ترازو ناکافی ثابت ہوتے ہیں۔

یہی معاملہ "نشان" کا بھی ہے۔ ایک نشان یہ ہے کہ ایک جنگ پیش آئی۔ آدمی اس میں کود پڑا اور لڑائی کے نتیجہ میں اس کے جسم پر کٹنے یا زخم لگنے کا کوئی مستقل نشان پڑ گیا۔ یا ایک شخص اللہ کی عبادت میں مصروف ہوتا ہے اور سجدہ کی کثرت سے اس کی پیشانی پر نشان پڑ جاتا ہے۔ یقیناً ایسے نشانات کا بھی خدا کے یہاں ثواب ہے۔ مگر ایک شخص وہ ہے جو دیکھتا ہے کہ خدا کی دنیا میں بے شمار ہنگامے جاری ہیں لیکن خدا کے دین کی گواہی نہیں دی جارہی ہے۔ وہ بیتابانہ خدا کا گواہ بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کے دوست اور رشتہ دار اس کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، اس کے فائدوں اور مصلحتوں کا ڈھانچہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اس کو بے عزت کیا جاتا ہے، اس کو زخم پہنچائے جاتے ہیں، اس کی معاشیات کو اجاڑا جاتا ہے۔ اذیتوں پر صبر کرتے کرتے اس کا سینہ چھلنی ہو جاتا ہے۔ اس کا سکون غارت ہو جاتا ہے۔ اس کے حوصلوں اور تمناؤں کی دنیا ویران ہو جاتی ہے۔ وہ جیتے جی قبر میں دفن ہو جاتا ہے۔ پھر بھی وہ اللہ کے راستہ کو نہیں چھوڑتا، پھر بھی وہ اللہ کی گواہی کے مقام سے نہیں ہٹتا۔

ایسے شخص پر بھی "نشانات" پڑتے ہیں۔ اس کی جوانی قبل از وقت بڑھاپے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس کا شاداب جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کا پھول سا چہرہ گرد وغبار میں اٹ جاتا ہے۔ اس کی آنکھیں آنسو بہاتے بہاتے بے رونق ہو جاتی ہیں۔ وہ دنیا پرستوں کی نظر میں ایک برباد شدہ انسان کی تصویر بن کر رہ جاتا ہے۔ یہ زخم اور یہ نشانات مذکورہ زخموں اور نشانات سے مختلف ہوتے ہیں، بہت سے لوگوں کو وہ دکھائی بھی نہیں دیتے۔ مگر اللہ کی نظر میں ان کا درجہ اتنا زیادہ ہے کہ سارے زمین وآسمان اور انھیں کے بقدر ایک اور زمین وآسمان بھی ان کی قیمت نہیں ہو سکتے۔

ایک تجارتی راز

محلہ میں کئی مسلم ہوٹل ہیں۔ میں دس سال سے ان کو دیکھ رہا ہوں۔ مگر ان میں صرف ایک ہوٹل ایسا ہے جو اس مدت میں مسلسل ترقی کرتا رہا ہے۔ باقی تمام ہوٹل جہاں دس سال پہلے تھے وہیں آج بھی پڑے ہوئے ہیں۔ ترقی کرنے والے ہوٹل کے مالک سے میں نے ایک روز پوچھا کہ آپ کی ترقی کا راز کیا ہے۔

"بالکل سادہ" انھوں نے جواب دیا "جو چیز دوسرے ہوٹل والے کیلو میں خریدتے ہیں اس کو ہم بوروں میں خریدتے ہیں۔ ہر خریداری کے وقت ہم پورے بازار کو دیکھتے ہیں اور جو چیز جہاں کفایت سے ملتی ہے اس کو وہاں سے لیتے ہیں۔ زیادہ مقدار اور نقد خریداری کی وجہ سے چیز ہم کو اور بھی سستی پڑ جاتی ہے" اس کے بعد انھوں نے ہنس کر کہا "گاہک سے نہیں کمایا جاتا، بازار سے کمایا جاتا ہے"

عام طور پر دوکان داروں کا یہ حال ہے کہ جو گاہک سامنے آجائے بس اس کی جیب سے زیادہ سے زیادہ پیسے نکال لینے کو دکان داری سمجھتے ہیں۔ یہ دکان داری نہیں لوٹ ہے اور جس دکان دار کے بارے میں مشہور ہو جائے کہ وہ "لوٹتا ہے" اس کے یہاں کون خریداری کے لئے جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے دکان دار زیادہ ترقی نہیں کر پاتے۔ دکان داری کا زیادہ اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ مال کی خریداری کے وقت آپ کوشش کریں کہ آپ کو کم قیمت میں مال ملے تاکہ عام نرخ سے گاہک کو دینے کے بعد بھی آپ کو زیادہ فائدہ حاصل ہو۔

یہ اصول ہر قسم کے کاروبار کے لئے صحیح ہے۔ ہر کاروبار میں ایسا ہوتا ہے کہ دکان دار اپنے گاہک کے ہاتھ جو چیز بیچتا ہے اس کو وہ خود کہیں سے خرید کر لاتا ہے۔ یہ خریداری خواہ ایک مرحلہ میں ہو یا کئی مرحلوں میں، اس کی ہمیشہ کئی صورتیں ہیں۔ اکثر دکان دار مشقت اور دوڑ بھاگ سے بچنے کے لئے کسی آسان یا قریبی ذریعہ سے اپنی ضرورت کا سامان حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن اگر دوڑ بھاگ کی جائے اور محنت سے کام لیا جائے تو وہی چیز نسبتاً کم قیمت میں حاصل کی جا سکتی ہے جس کو دوسرا شخص محنت سے بچنے کی خاطر زیادہ قیمت میں حاصل کر رہا ہے۔

عام دکان دار ہمیشہ اپنی محنت کی کمی کو گاہک کی جیب سے زیادہ وصول کر کے پورا کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اس قسم کی تجارت کبھی آدمی کو بڑی ترقی تک نہیں پہنچاتی۔ بہترین تجارتی گُر یہ ہے کہ گاہک کو ممکن حد تک مناسب نرخ پر چیزیں فراہم کی جائیں اور گاہک کے ہاتھ تک پہنچنے سے پہلے کا جو مرحلہ ہے اس میں زیادہ سے زیادہ "کمانے" کی کوشش کی جائے۔ زیادہ کمائی بازار سے کی جائے نہ کہ گاہک سے (۱۷ اگست ۱۹۸۰)

خرچ سے اضافہ

مسٹر رام رتن کپلا (پیدائش 1918) نے ۱۹۳۷ میں پندرہ روپیہ ماہوار کی ایک ملازمت سے اپنی زندگی کا آغاز کیا۔ اب دہلی میں نمائنا انڈسٹریل ایریا میں ان کی فیکٹری ہے اور آصف علی روڈ پر بہت بڑا شوروم ہے۔ انھوں نے اپنے ابتدائی دور کا ایک واقعہ اس طرح بتایا۔

یہ ۱۹۴۵ء کی بات ہے جب کہ میں ایک میکینک کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ میں نے کافی محنت سے کام کیا اور دھیرے دھیرے ۲۵ ہزار روپئے بنک میں جمع کر لئے میں بہت خوش تھا کہ میں نے کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس کے بعد ایسا ہوا کہ راولپنڈی کے ایک بزرگ "خواجہ صاحب" انھیں دنوں میرے پاس آئے۔ ہمارے ان کے درمیان بہت پرانے مراسم تھے۔ میں ان کی بہت عزت کرتا تھا۔ انھوں نے مجھ سے میرے کام کے بارے میں پوچھا۔ میں نے فخر کے ساتھ انھیں بتایا کہ میں نے ۲۵ ہزار روپیہ بچا لیا ہے جو بنک میں جمع ہے۔ مجھے امید تھی کہ وہ مجھ کو شاباش دیں گے اس کے برعکس انھوں نے مجھ کو لعنت ملامت کی اور کہا کہ تم نے اپنا وقت خراب کیا، تم کو شرم آنی چاہئے کہ تمھارے پاس ۲۵ ہزار روپیہ بے کار پڑا ہوا ہے، صرف اس لئے کہ بنک کا سود ملتا رہے۔ اگر تم یہ بتاتے کہ میرے اوپر بنک کا قرض ہے تو البتہ مجھے خوشی ہوتی۔ تم فوراً بمبئی جاؤ کلکتہ جاؤ۔ وہاں جاکر کاروبار دیکھو، ایجنسی لو، روپیہ کو کام میں لاؤ۔

شری رام رتن کپلا نے بتایا کہ اس کے بعد میں ۴۶-۱۹۴۵ میں بمبئی گیا۔ وہاں ریفریجریٹر بنانے والی بڑی کمپنیوں کی ایجنسیاں لیں۔ اس کے بعد ہمارا کاروبار خوب بڑھا۔ کافی پیسہ ہاتھ آیا۔ اس کے بعد میں نے بارہ روپیہ ماہوار کا گیرج چھوڑ دیا اور ایک ہزار روپیہ ماہوار کرایہ پر موجودہ شوروم لیا۔

خدا نے اپنی دنیا کا نظام کچھ اس طرح بنایا ہے کہ یہاں خرچ کرنے سے اضافہ ہوتا ہے۔ آپ چند دانے "خرچ" کرتے ہیں تو کھیت اس کے بدلے میں آپ کو ہزاروں دانے لوٹاتا ہے۔ کاروبار میں آدمی روپیہ لگاتا ہے تو وہ کئی گنا زیادہ ہو کر اس کی طرف واپس آتا ہے۔ معاشرہ میں صدقات وخیرات کی صورت میں جو خرچ کیا جاتا ہے وہ بھی اس طرح اضافہ ہو کر آدمی کی طرف لوٹتا ہے کہ اس سے سماج میں باہمی اعتماد، ایک دوسرے کا لحاظ، حقوق کی ادائگی، دوسرے کے معاملہ کو اپنا معاملہ سمجھنا جیسے احساسات پرورش پاتے ہیں اور وہ بے شمار صورتوں میں خود دینے والے کو نفع پہنچاتے ہیں

آخرت کے لئے خرچ کا معاملہ بھی یہی ہے۔ اگر آپ آخرت کی راہ میں خرچ کریں تو وہ دس گنا سے سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھتی ہوئی صورت میں آپ کی طرف لوٹایا جائے گا۔ آخرت کی راہ میں خرچ سے جو اضافہ ہوتا ہے وہ سب سے بڑا اضافہ ہے، کیونکہ وہ نہ صرف مقدار میں زیادہ ہے بلکہ وہ دائمی بھی ہے۔ آخرت کے سوا کوئی دوسرا اضافہ دائمی نہیں۔

اختلاف کے باوجود

"مجھے اپنی زندگی کے دو واقعات یاد آتے ہیں"، مولانا عبد الرحیم بڈیڈوی (ہریانہ) نے کہا۔ ۵۳-۱۹۵۲ میں جب کہ میں مدرسہ سبحانیہ دہلی میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ میرے ساتھ یوپی کے ایک طالب علم عبد القیوم صاحب رہتے تھے۔ وہ اپنے روپے میرے پاس امانتاً رکھتے تھے جن کو میں ان کی اجازت سے خود اپنی ضرورت کے لئے بھی استعمال کرتا تھا۔ اس کے بعد ایسا ہوا کہ کسی بات پر ان سے میری لڑائی ہوگئی۔ عبد القیوم صاحب کے دوستوں نے ان کو اکسایا کہ "عبد الرحیم نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے تم ان سے اپنا سب روپیہ مانگ لو۔" لوگوں نے بہت کہا مگر وہ اس کے لئے راضی نہ ہوئے۔ انھوں نے کہا: ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ لڑائی الگ چیز ہے اور روپیہ الگ چیز۔ میں لڑائی کی وجہ سے ان سے اپنے روپیہ کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

دوسرا واقعہ میوات کا ہے۔ ۱۹۵۹ء میں میں گلپاڑہ (ضلع بھرت پور) کے مدرسہ میں تدریسی خدمت انجام دے رہا تھا۔ وہاں کے ایک میو حاجی دراب خاں سے میری اکثر لڑائی رہتی تھی۔ اسی دوران میں ایک بار مدرسہ کے لئے چندہ کی مہم چلی۔ کچھ لوگ گھوم کر گاؤں کے ایک ایک گھر تک پہنچے اور مدرسہ کی امداد کے لئے کہا۔ کسی نے ۲۰ سیر اناج لکھوایا، کسی نے ۳۰ سیر۔ سب سے زیادہ جس نے لکھوایا وہ ایک من غلہ تھا۔ میں بھی وفد میں شامل تھا۔ لوگ حاجی دراب خاں کے گھر کی طرف چلے تو مجھے ایسا لگا کہ یہ لوگ بے کار ان کے یہاں جا رہے ہیں۔ وہ ایک ایسے مدرسہ کے ساتھ کب تعاون کریں گے جس میں ان کا ایک مبغوض شخص کام کرتا ہو۔ ہم لوگ ان کے گھر پہنچے اور مدرسہ کے لئے کہا۔ انھوں نے پوچھا کہ لوگوں نے کتنا کتنا لکھوایا ہے۔ ہر ایک کی مقدار بتائی گئی جس میں سب سے زیادہ اس کا غلہ تھا جس نے ایک من لکھوایا تھا۔ انھوں نے کہا "میری طرف سے سوا من لکھ لو۔" اس کے بعد بولے: اگرچہ میری اس مولوی سے لڑائی ہے، مگر مدرسہ سے میری کوئی لڑائی نہیں۔ مولوی سے لڑائی کے باوجود میں مدرسہ کی مدد کروں گا۔

زندہ آدمی اختلاف کو اسی دائرہ میں رکھتا ہے جس دائرہ میں اختلاف پیدا ہوا ہے، اس سے باہر اس کو نہیں لے جاتا۔ کسی سے ذاتی اختلاف ہو تو اس کی بنا پر اس کے ادارہ کی جڑ کھودنے کے درپے نہیں ہوتا۔ کسی سے ایک مسئلہ میں اختلاف ہو تو اس کو سارے مسائل میں اپنا مخالف نہیں سمجھ لیتا۔ کسی سے نظریاتی اختلاف ہو تو اس کی وجہ سے ایسا نہیں کرتا کہ اس کو بے عزت کرے یا اس کی معاشیات کو برباد کرنے لگے۔ زندہ آدمی حد کے اندر رہنے والا ہوتا ہے نہ کہ حد سے گزر جانے والا۔

مومن کے صبح و شام

مسلمان سویرے بستر سے اٹھتا ہے تو اس کی زبان پر یہ دعا ہوتی ہے کہ خدایا تیرا شکر ہے، تو نے مجھے سلایا اور تو نے مجھے بیدار کیا۔ وہ پاک صاف ہو کر فجر کی نماز کے لئے مسجد پہنچتا ہے تاکہ اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ مل کر خدا کی خدائی اور اس کے مقابلہ میں اپنی بندگی کا اعتراف کرے۔ وہ قرآن کا ایک حصہ پڑھ کر معلوم کرتا ہے کہ اس کا رب اس سے کیا چاہتا ہے۔ اس کے بعد وہ زندگی کی سرگرمیوں میں لگ جاتا ہے۔ دن کے دوران میں اس پر تین نمازوں کے اوقات آتے ہیں۔ ظہر، عصر اور مغرب۔ ہر نماز کے وقت وہ اپنا کام چھوڑ کر اپنے اللہ کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں پہلی حیثیت خدا کو دیتا ہے نہ کہ کسی اور کو۔

جب اس کو بھوک لگتی ہے اور وہ کھانا کھاتا ہے اور پانی پیتا ہے تو اس کا بال بال خدا کے شکر میں ڈوب جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدایا تو نے کیسا عجیب پانی بنایا جس سے میں اپنی پیاس بجھاؤں اور کیسا عجیب رزق اتارا جس سے میں اپنی بھوک مٹاؤں۔ جب اس کو کوئی کامیابی ہوتی ہے تو وہ اس کو خدا کی طرف سے سمجھ کر شکر ادا کرتا ہے۔ کوئی ناکامی ہوتی ہے تو اپنی غلطی کا نتیجہ سمجھ کر اللہ سے تلافی کی دعا کرتا ہے۔ جب کسی سے اس کا سابقہ پیش آتا ہے تو وہ اس سے یہ سمجھ کر معاملہ کرتا ہے کہ خدا اس کو دیکھ رہا ہے اور ایک روز اس سے پوری زندگی کا حساب لے گا۔ اس طرح رات آجاتی ہے۔ اب وہ اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر دوبارہ اپنے کو پاک صاف کرتا ہے اور رات کی آخری نماز پڑھ کر سو جاتا ہے۔ سوتے ہوئے اس کی زبان پر یہ دعا ہوتی ہے: خدایا تیرے ہاتھ میں میری زندگی ہے اور تیرے ہاتھ میں میری موت ہے۔ مجھ کو معاف فرما اور مجھ کو اپنی رحمتوں کے سایہ میں داخل فرما۔ مسلمان اپنی زندگی کا نظام خدا کو سامنے رکھ کر بناتا ہے نہ کہ خدا سے آزاد ہو کر۔

اسی سے تعمیر دنیا بھی

ایک مرتبہ مجھے مسلم نوجوانوں کے ایک اجتماع میں بلایا گیا۔ میں نے وہاں آخرت کے موضوع پر کچھ باتیں عرض کیں۔ میں نے کہا کہ آدمی کو چاہئے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور آخرت کی فکر رکھتے ہوئے زندگی گزارے۔ میں اپنی بات پوری کر کے چپ ہوا تو ایک نوجوان نے کہا "یہ تو خیر ٹھیک ہے، اب اصل بات شروع کیجئے" ان کو کسی نے بتایا تھا کہ میں "تعمیر ملت" کے موضوع پر کچھ باتیں پیش کروں گا۔ "آخرت" کا وعظ سن کر انھیں محسوس ہوا کہ میں نے اصل بات نہیں کہی، میں نے مسلمانوں کے دنیوی مسائل کا کوئی حل پیش نہیں کیا۔

میں نے کہا کہ دنیا کی تعمیر آخرت کی تعمیر سے الگ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تعمیر آخرت ہی میں تعمیر دنیا کا راز بھی چھپا ہوا ہے۔ پھر میں نے کہا کہ دنیا کی تعمیر کے لئے مسلمانوں کو تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ وہ ایک باشعور قوم بنیں۔ دوسرے یہ کہ انھیں اقتصادی خوش حالی حاصل ہو۔ تیسرے یہ کہ وہ ایک طاقتور قوم ہوں۔ اور یہ تینوں چیزیں آخرت کے عقیدہ سے کمال درجہ میں حاصل ہوتی ہیں۔

۱۔ آخرت کا عقیدہ انسانی شعور کو بیدار کرنے کی سب سے زیادہ کامیاب تدبیر ہے۔ آخرت پسندی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی غیبی حقیقتوں کے بارے میں حد درجہ حساس ہو جائے۔ جس آدمی کا شعور اتنا بیدار ہو کہ وہ نہ دکھائی دینے والی چیزوں کو دیکھنے لگے وہ دکھائی دینے والی چیزوں کو اور بھی زیادہ دیکھنے والا بن جائے گا۔ آخرت کوئی رسمی عقیدہ نہیں، وہ انسان کے شعور کو آخری حد تک جگا دینے والی سب سے بڑی انقلابی تدبیر ہے۔ آخرت کے عقیدہ سے سنجیدگی اور احتیاط پیدا ہوتی ہے۔ یہ عقیدہ آدمی کو سوچنے والا اور حقیقت پسند انسان بناتا ہے۔ ایسا آدمی ہر معاملہ کو اس کے انجام کے اعتبار سے دیکھتا ہے۔ وہ چیزوں کو ان کی اصلیت اور واقعیت کے اعتبار سے جانچنے لگتا ہے نہ کہ محض ان کی ظاہری صورت کے اعتبار سے۔ یہ باتیں جس کے اندر پیدا ہو جائیں وہ سب سے زیادہ باشعور انسان بن جاتا ہے، وہ دنیا سے لے کر آخرت تک تمام چیزوں کو خدائی نظر سے دیکھنے لگتا ہے۔

اس کی بہترین واقعاتی مثال صحابہ کرام کا گروہ ہے۔ انھوں نے مشکل ترین حالات میں دعوت اسلامی کے کام کو منظم کیا اور قدیم آباد دنیا کے بڑے حصہ کو نہ صرف مسلمان بنایا بلکہ ان کی زبان اور تہذیب تک کو بدل ڈالا۔ یہ سب کام وہ کبھی نہیں کر سکتے تھے اگر وہ شعور کی اعلیٰ سطح پر نہ پہنچ گئے ہوتے۔

۲۔ اقتصادی ترقی ہمیشہ دو چیزوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ محنت اور دیانت داری۔ اور آخرت کے عقیدہ سے یہ دونوں چیزیں کمال درجہ میں پیدا ہوتی ہیں۔ آخرت کا عقیدہ آدمی کے دل میں یہ بات بٹھا دیتا ہے کہ عمل کئے بغیر کسی کو کوئی انعام نہیں مل سکتا۔ آخرت کا عقیدہ آدمی کو بتاتا ہے کہ خدا کے یہاں صرف سچائی اور اخلاص کی قیمت ہے،

جھوٹ اور فریب کی اس کے یہاں کوئی قیمت نہیں۔ اس طرح جو شخص حقیقی معنوں میں آخرت پسند ہو جائے وہ اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر محنتی اور دیانت دار بن جاتا ہے۔ اور جس شخص کے اندر یہ دونوں خصوصیات پیدا ہو جائیں وہ صفر سے آغاز کر کے بھی بڑی بڑی ترقیاں حاصل کر سکتا ہے۔ اقتصادیات کی دنیا میں کسی کے لئے سب سے بڑا سرمایہ محنت اور دیانت داری ہے اور یہ دونوں چیزیں آخرت کے عقیدہ کا براہ راست نتیجہ ہیں۔ جس شخص کے اندر آخرت کا احساس ہو گا اس کے اندر لازمی طور پر محنت بھی ہو گی اور دیانت داری بھی۔

اس کی ایک واضح مثال صحابہ و تابعین کا گروہ ہے۔ یہ لوگ اپنے وطن سے بے سروسامانی کی حالت میں نکلے۔ مادی وسائل کے اعتبار سے کوئی چیز ان کے پاس نہ تھی۔ اس کے باوجود انھوں نے اپنے وقت کی تجارتوں پر قبضہ کر لیا، وہ ایشیا اور افریقہ سے لے کر یورپ تک کی منڈیوں پر چھا گئے۔ ان کی اس اقتصادی کامیابی کا راز یہی دو چیزیں تھیں ـــــــ محنت اور دیانت داری۔

۳۔ کسی قوم کی طاقت کا سب سے بڑا ذریعہ اتحاد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اتحاد کا دوسرا نام طاقت ہے اور اختلاف کا دوسرا نام کمزوری۔ کسی گروہ کے افراد میں جب اتحاد ٹوٹتا ہے تو اس کی وجہ کیا ہوتی ہے۔ اس کی وجہ صرف ایک ہوتی ہے اور وہ افراد کی انانیت ہے۔ اگر ہر فرد میں تواضع آجائے، ہر آدمی اپنی "انا" کو ختم کر چکا ہو تو وہاں اختلاف کا سرے سے خاتمہ ہو جائے گا۔ اور آخرت کا عقیدہ سب سے زیادہ یہی چیز پیدا کرتا ہے۔ جس شخص کے دل میں خدا کی ہیبت اور آخرت کا فکر بیٹھ جائے اس کے اندر سے گھمنڈ اور بڑائی کے تمام احساسات نکل جاتے ہیں۔ خدا کی پکڑ کا اندیشہ اس کو ایک بے "میں" والا انسان بنا دیتا ہے۔ یہی کیفیت اتحاد کی سب سے بڑی بنیاد ہے۔ جس قوم کے افراد سے گھمنڈ اور انانیت نکل جائے ان کے اندر سے گویا اختلاف کی جڑ ختم ہو گئی۔ ایسے لوگ سب سے زیادہ متحد قوم بن جاتے ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اس دنیا میں اتحاد سے بڑی کوئی دوسری طاقت نہیں۔

اس کی واقعاتی مثال اسلام کی تاریخ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جو لوگ تیار ہوئے وہ بہت زیادہ اللہ سے ڈرنے والے اور آخرت کی فکر کرنے والے تھے۔ چنانچہ ان ابتدائی مسلمانوں میں بے پناہ اتحاد پایا جاتا تھا۔ اسی اتحاد کی طاقت سے انھوں نے اپنے سے زیادہ طاقت ور اور اپنے سے زیادہ سامان والے دشمنوں کو مغلوب کر لیا۔ مگر بعد کے دور میں جو لوگ اسلام کی صفوں میں شامل ہوئے ان میں آخرت کا عقیدہ اتنا گہرا اور اتنا زندہ نہ تھا۔ چنانچہ ہر ایک یہ چاہنے لگا کہ اس کی بات مانی جائے، اس کی بڑائی تسلیم کی جائے، اس کے نتیجہ میں ایسا اختلاف پیدا ہوا کہ مسلمانوں کی طاقت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ وہ لوگ جو اب تک کفر و شرک کا زور توڑنے میں لگے ہوئے تھے وہ خود آپس میں ایک دوسرے کو برباد کرنے میں لگ گئے۔

اسلامی اخلاق

اسلامی اخلاق دوسرے لفظوں میں خدائی اخلاق ہے۔ یعنی بندوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں اسی فیاضی اور وسعت کا معاملہ کرنا جو معاملہ ان کا خدا ان کے ساتھ کر رہا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے (تغابن ۱۴) یعنی جب کسی سے تلخی یا ان بن ہو جائے تو تم وہ انداز اختیار کرو جو خدا کا انداز ہے۔ خدا آدمی کی غلطی کو معاف کرتا ہے اور کسی کی غلطی کی وجہ سے اپنی مہربانیاں اس سے اٹھا نہیں لیتا۔ یہی حال تمہارا ہونا چاہئے۔ تمہارے بارے میں کوئی شخص ایسی بات کہہ دے جس سے تم کو تکلیف پہنچ جائے، کوئی ایسا سلوک کرے جو تمہارے لئے شکایت کا باعث ہو تو محض اس وجہ سے تم اس کی طرف سے اپنے دل کو برا نہ کرلو بلکہ غلطی کو نظرانداز کرکے اور شکایت کو بھلا کر اس سے معاملہ کرو۔

اسلامی اخلاقیات ایک لفظ میں وسعت ظرف کی اخلاقیات کا نام ہے۔ عام طور پر لوگوں کا اخلاق اس کے تابع ہوتا ہے کہ کسی نے ان کے بارے میں کیا کہا ہے اور کیا کیا ہے۔ مسلمان وہ ہے جو کسی نے کیا کہا اور کسی نے کیا کیا جیسی باتوں سے اوپر اٹھ کر لوگوں سے معاملہ کرے۔ اس کا اخلاق خدا کے حکم کے تحت بنا ہو نہ کہ ردعمل کی نفسیات کے تحت۔

اسلامی اخلاق کا اعلیٰ معیار یہ ہے کہ آدمی دوسرے کو نفع پہنچانے والا بنے، وہ دوسروں کے کام آئے۔ اور اگر کوئی شخص یہ طاقت نہیں رکھتا کہ وہ دوسرے کو نفع پہنچائے تو آخری درجہ یہ ہے کہ وہ دوسروں کو اپنی برائی سے بچائے۔ اس کی زبان اور اس کے ہاتھ پاؤں سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں۔ اس کے بعد اسلامی اخلاق کا کوئی درجہ نہیں۔

سچائی کا اعتراف

سچائی دنیا میں خدا کی نمائندہ ہے۔ سچائی کو نہ ماننا خدا کو نہ ماننا ہے۔ خدا کی زمین پر سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ آدمی کے سامنے ایک سچائی آئے اور وہ اس کا اعتراف نہ کرے۔ ہر سچائی خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس لئے جس نے سچائی کو نہیں مانا اس نے خدا کو نہیں مانا۔

سچائی کوئی اجنبی چیز نہیں۔ وہ آدمی کی فطرت میں گندھی ہوئی ہے۔ وہ آدمی کے لئے ایک جانی پہچانی چیز ہے۔ پھر آدمی اس کا اعتراف کیوں نہیں کرتا۔ اس کی وجہ نفسیاتی رکاوٹیں ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سچائی کو ماننے میں دنیوی مصلحتوں کا نظام ٹوٹتا ہوا نظر آتا ہے۔ کبھی اعتراف کرنا آدمی سے یہ قیمت مانگتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اونچے مقام سے اتارنے پر راضی ہو جائے۔ کبھی سچائی کو ماننے میں یہ وجہ مانع ہو جاتی ہے کہ جو شخص سچائی کو پیش کر رہا ہے وہ ایک معمولی آدمی ہے یا اس سے کوئی ذاتی کدورت پیدا ہو گئی ہے۔ اس قسم کی نفسیاتی رکاوٹیں آدمی کے ذہن پر غلبہ پالیتی ہیں۔ وہ ایک ایسی چیز کا انکار کر دیتا ہے جس کے بارے میں اگر وہ سنجیدہ ہو کر سوچے تو اس کا دل گواہی دے کہ بلاشبہ وہ حقیقت ہے۔

یہ دنیا امتحان کی دنیا ہے۔ یہاں خدا خود سامنے نہیں آتا۔ یہاں وہ سچائی کے روپ میں ظاہر ہوتا ہے۔ دنیا میں آدمی کا امتحان یہ ہے کہ وہ خدا کو سچائی کے لباس میں دیکھ لے اور اس کے آگے گر پڑے۔ ہر بار جب کوئی سچائی ظاہر ہو تو گویا خدا نے اپنا جلوہ دکھایا۔ اس وقت جو شخص عناد اور گھمنڈ اور مصلحت پرستی میں پڑ کر سچائی کو نظر انداز کر دے اس نے خدا کو نظر انداز کیا۔ اس نے خدا کو نہ پہچانا۔ اس نے اپنے آپ کو خدا سے بڑا سمجھا۔ اس نے اپنے تقاضوں کو خدا کے تقاضے پر ترجیح دی۔ ایسا شخص آخرت میں سب سے زیادہ بے سہارا ہوگا۔ کیونکہ اس دن خدا اس کو نظر انداز کر دے گا۔ اور جس کو خدا نظر انداز کر دے اس کے لئے زمین و آسمان میں کوئی ٹھکانا نہیں۔

الفاظ کی طاقت

امام حسن بصری (م ۱۱۰ھ) ور حجاج بن یوسف (م ۹۵ھ) کا زمانہ ایک ہی تھا۔ حسن بصری کی صاف گوئی حجاج کو بہت تکلیف پہنچاتی تھی۔ اس نے طے کیا کہ حسن بصری کو قتل کرا دے۔ چنانچہ اس نے حسن بصری کو اپنے دربار میں بلایا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ ان کو زندہ واپس نہیں جانے دے گا۔ میمون بن مہران بتلاتے ہیں کہ حسن بصری جب دربار میں داخل ہوئے اور حجاج کے سامنے کھڑے ہوئے تو یہ گفتگو ہوئی: حسن بصری نے کہا اے حجاج، تمھارے اور آدم کے درمیان کتنے باپ ہیں۔ حجاج نے جواب دیا کہ بہت۔ حسن بصری نے کہا کہ اب وہ کہاں ہیں۔ حجاج نے کہا کہ وہ مر گئے۔ حسن بصری کا مطلب یہ تھا کہ جہاں تم مجھ کو پہنچانا چاہتے ہو اسی راستہ پر تم خود بھی تیزی سے جا رہے ہو۔ حجاج اگرچہ ایک ظالم حکمراں تھا۔ مگر یہ الفاظ سن کر اس نے سر جھکا لیا۔ اس کے بعد حسن بصری محفوظ حالت میں دربار سے باہر نکل آئے (فلما قام الحسن بین یدی الحجاج قال له یا حجاج اِکم بینك وبین آدم من اب۔ قال کثیر۔ قال فاین هم۔ قال ماتوا۔ ثم نکس الحجاج راسه وخرج الحسن لم یمسسه منه سوء)

اِس پل پر یا اُس پل پر

ملک شاہ سلجوقی کی شاہی سواری ایک روز ایک پل سے گزر رہی تھی۔ ایک بڑھیا وہاں آکر کھڑی ہو گئی۔ بادشاہ اس کے قریب پہنچا تو بڑھیا نے پکار کر کہا: اے بادشاہ بتا میرا اور تیرا انصاف اِس پل پر ہو گا یا اُس پل (صراط) پر۔ ملک شاہ پر اس جملہ کا بے حد اثر ہوا۔ وہ گھبرا کر سواری سے اتر پڑا اور کہا: ماں، اُس پل پر کس کی ہمت ہے کہ کھڑا ہو سکے۔ بہتر ہے کہ میرا اور تمھارا حساب اسی پل پر ہو جائے۔ اس کے بعد بڑھیا نے بتایا کہ سپاہیوں نے اس کی گائے پکڑ کر ذبح کر دی ہے، میں تم سے اس ظلم کا انصاف چاہتی ہوں۔ ملک شاہ سلجوقی وہیں ٹھہر گیا اور معاملہ کی تحقیق شروع کر دی۔ جب ثابت ہو گیا کہ بڑھیا کی شکایت صحیح ہے تو اس نے اسی وقت مجرموں کو سزا دی۔ اس کے بعد اس نے بڑھیا سے معافی مانگی اور گائے کی اصل قیمت سے بہت زیادہ معاوضہ دے کر بڑھیا کو راضی کیا۔

کتّے سے بھی زیادہ برا

تاتاری جب بغداد کی سلطنت پر غالب آگئے تو ان کے اندر احساس برتری پیدا ہو گیا۔ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے بہت اونچا سمجھنے لگے۔ ایک تاتاری شہزادہ ایک بار گھوڑے پر سوار ہو کر شکار کے لئے جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا کتا بھی تھا۔ راستہ میں ایک مسلمان بزرگ ملے۔ اس نے مسلمان بزرگ کو اپنے پاس

بلایا اور کہا: "تم اچھے ہو یا میرا کتا" مسلمان بزرگ نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا: اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہو تو میں اچھا ورنہ تمھارا کتا اچھا" یہ جملہ اس وقت اتنا مؤثر ثابت ہوا کہ تاتاری شہزادہ کا دل ہل گیا۔ وہ اس "ایمان" کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگا جس پر آدمی کا خاتمہ نہ ہو تو وہ کتے سے بدتر ہو جاتا ہے۔ اس تلاش کا نتیجہ یہ ہوا کہ بالآخر وہ مسلمان ہو گیا۔

غریبی کا مطلب بے وقوفی نہیں

کچھ معزز لوگ ایک مقام پر بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے اتنے میں ایک بھکاری عورت آئی۔ اس نے سوال کیا مگر کسی نے اس کو جواب نہ دیا۔ اس نے پھر اپنا سوال دہرایا۔ اب بھی کسی نے اس کو جواب دینے کی ضرورت نہ سمجھی، لوگوں کا خیال تھا کہ وہ اس سے زیادہ ضروری گفتگو میں مصروف ہیں کہ ایک بھکاری عورت کا جواب دیں۔ بھکاری عورت اس کے باوجود بار بار اپنے سوال کو دہراتی رہی۔ مجلس میں ایک معزز بزرگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کو اس مسلسل مداخلت پر غصہ آگیا۔ انھوں نے سخت لہجہ میں کہا: "بڑی بے وقوف معلوم ہوتی ہے" عورت نے یہ سنا تو بولی: "بابا غریب آدمی بے وقوف ہی ہوتے ہیں" یہ کہا اور چلی گئی۔ اس واقعہ کے بعد مذکورہ بزرگ اکثر کہا کرتے تھے: "اس بھکاری عورت نے مجھ کو جو جواب دیا اس سے زیادہ سخت جواب مجھ کو ساری زندگی میں کسی نے نہیں دیا۔"

غم آدمی کو گہرا بنا دیتا ہے

اسی طرح ایک مجلس تھی۔ عمدہ قالین پر کچھ خوش پوش اور معزز افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک آدمی پھٹے حال آیا۔ وہ بلا اجازت مجلس میں بیٹھ گیا۔ ایک صاحب نے اس کو منع کیا کہ یہاں مت بیٹھو۔ بار بار منع کرنے کے بعد بھی جب وہ نہ مانا تو انھوں نے اس کو پکڑ کر مجلس سے اٹھا دیا اور کہا "جا اپنا کام کر" وہ اٹھا اور یہ کہتا ہوا چلا گیا: "ایک ہی راستہ سے آئے ہیں، ایک ہی راستہ سے جائیں گے دونوں" آدمی کا یہ جملہ اتنا مؤثر ثابت ہوا کہ اس کے بعد مجلس کا رنگ بدل گیا۔ لوگ خاموش ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد اٹھ اٹھ کر چلے گئے۔

کبھی آدمی کی زبان سے ایک جملہ نکلتا ہے مگر وہ جملہ محض کچھ الفاظ کا مجموعہ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ سننے والے کے دل میں برچھی کی طرح چبھتا ہے۔ وہ آدمی کو تیر اور تلوار کے بغیر ذبح کر دیتا ہے۔ مگر برچھی کی مانند چبھنے والے جملے صرف انھیں لوگوں کی زبان سے نکلتے ہیں جو اس سے پہلے اپنے سینہ میں برچھی چبھا چکے ہوں۔

اللہ کا رسول

کارخانہ سے ایک مشین بن کر نکلتی ہے تو اس کے ترکیب استعمال کا کاغذ بھی ساتھ رکھ دیا جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ ایک انجینئر آتا ہے جو عملاً کرکے دکھا دے کہ مشین کو کس طرح چلانا چاہئے۔ انسان بھی ایک زیادہ پیچیدہ قسم کی زندہ مشین ہے۔ وہ پیدا ہو کر اچانک اپنے آپ کو ایک ایسی دنیا میں پاتا ہے جہاں کسی پہاڑ کے اوپر یہ لکھا ہوا نہیں کہ یہ دنیا کیا ہے اور یہاں اس کو کس طرح رہنا چاہئے۔ دنیا کی تعلیم گاہوں میں ایسے انجینئر بھی تیار نہیں ہوتے جو زندگی کے راز کو جانیں اور انسان کے لئے عملی رہنما کا کام دے سکیں۔

اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے خدا نے اپنے رسول بھیجے۔ ہر رسول اپنے ساتھ اللہ کا کلام لایا۔ اس کلام کے ذریعہ خدا نے انسان کو بتایا کہ زندگی کی حقیقت کیا ہے اور آدمی کو کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے۔ اسی کے ساتھ رسول تمام انسانوں کے لئے خدا پرستانہ زندگی کا نمونہ تھے۔ آدمی کن جذبات وخیالات کے ساتھ جئے۔ وہ اپنے رب کو کس طرح یاد کرے۔ انسانوں کے درمیان رہتے ہوئے وہ لوگوں کے ساتھ کس طرح معاملہ کرے۔ اس کی دوستی اور دشمنی کی بنیاد کیا ہو۔ غرض ہر آدمی صبح سے شام تک جو زندگی گزارتا ہے اس کا عملی نمونہ اس کو رسول کی زندگی میں مل جاتا ہے۔

خدا نے اگرچہ ہر آدمی کی فطرت میں حق اور ناحق کی تمیز رکھ دی ہے۔ زمین وآسمان میں بے شمار نشانیاں پھیلا دی ہیں جس سے آدمی سبق حاصل کر سکے۔ تاہم اسی کے ساتھ خدا نے انسانوں کی زبان میں اپنی کتاب بھی اتاری اور انسانوں میں سے اپنے کچھ بندوں کو منتخب کرکے اپنا رسول مقرر کیا تاکہ ہدایت اور گمراہی کو سمجھنے میں آدمی کے لئے کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

اے ایمان والو، ایسی باتوں کے متعلق سوال نہ کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کردی جائیں تو تم کو گراں گزریں۔ اور اگر تم ان کے متعلق سوال کرو گے ایسے وقت میں جب کہ قرآن اتر رہا ہے تو وہ تم پر ظاہر کردی جائیں گی۔ اللہ نے ان سے درگزر کیا۔ اور اللہ بخشنے والا، تحمل والا ہے۔ ایسی ہی باتیں تم سے پہلے ایک جماعت نے پوچھیں۔ پھر وہ ان کے منکر ہوکر رہ گئے۔ اللہ نے بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام (بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور) مقرر نہیں کئے۔ مگر جن لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ اتارا ہے اس کی طرف آؤ اور رسول کی طرف آؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے۔ کیا اگرچہ ان کے بڑے نہ کچھ جانتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں۔ اے ایمان والو، تم اپنی فکر رکھو۔ کوئی گمراہ ہو تو اس سے تمہارا کچھ نقصان نہیں اگر تم ہدایت پر ہو۔ تم سب کو اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے پھر وہ تم کو بتادے گا جو کچھ تم کر رہے تھے ۱۰۵-۱۰۱

روایات میں آتا ہے کہ جب حج کا حکم آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو تم پر حج فرض کیا گیا ہے۔ یہ سن کر قبیلہ بنی اسد کا ایک شخص اٹھا اور کہا: اے خدا کے رسول کیا ہر سال کے لئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر سخت غضب ناک ہوئے اور فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر میں کہہ دیتا ہاں تو ہر سال کے لئے فرض ہوجاتا اور جب فرض ہوجاتا تو تم لوگ ہر سال اس کو کر نہ پاتے اور پھر تم کفر کا ارتکاب کرتے۔ پس جو میں چھوڑ دوں اس کو تم بھی چھوڑ دو۔ جب میں کسی چیز کا حکم دوں تو اس کو کرو اور جب میں کسی چیز سے روکوں تو اس سے رک جاؤ (تفسیر ابن کثیر)

غیر ضروری سوالات میں پڑنے کی ممانعت جو نزول قرآن کے وقت تھی وہی آج بھی مطلوب ہے۔ آج بھی صحیح طریقہ یہ ہے کہ جو حکم جس طرح دیا گیا ہے اس کو اسی طرح رہنے دیا جائے۔ غیر ضروری سوالات قائم کرکے اس کی حدود و قیود کو بڑھانے کی کوشش نہ کی جائے۔ جو حکم مجمل صورت میں ہے اس کو مفصل بنانا، جو مطلق ہے اس کو مقید کرنا اور جو چیز غیر معین ہے اس کو معین کرنے کے درپے ہونا دین میں ایسا اضافہ ہے جس سے اللہ اور رسول نے منع فرمایا ہے۔

کسی قوم کے جو گزرے ہوئے بزرگ ہوتے ہیں، زمانہ گزرنے کے بعد وہ مقدس حیثیت حاصل کرلیتے ہیں۔ اکثر گمراہیاں انھیں گزرے ہوئے لوگوں کے نام پر ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ اگر وہ بکری اور اونٹ کی تعظیم کا رواج قائم کر گئے ہوں تو اس کو بھی بعد کے لوگ سوچے سمجھے بغیر دہراتے رہتے ہیں۔ جس بگاڑ کی روایات ماضی کے تقدس پر قائم ہوں اس کی جڑیں اتنی گہری جمی ہوئی ہوتی ہیں کہ اس سے لوگوں کو ہٹانا سخت دشوار ہوتا ہے۔ اس قسم کی نفسیاتی پیچیدگیوں سے اوپر اٹھنا اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب کہ آدمی کے اندر واقعی معنوں میں یہ یقین پیدا ہوجائے کہ بالآخر اس کو خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ ایسا شخص آج ہی اس حقیقت کو مان لیتا ہے جس کو موت کے بعد ہر آدمی ماننے پر مجبور ہوگا مگر اس وقت کا ماننا کسی کے کچھ کام نہ آئے گا۔

اے ایمان والو، تمھارے درمیان گواہی وصیت کے وقت، جب کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے، اس طرح ہے کہ دو معتبر آدمی تم میں سے گواہ ہوں۔ یا اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور وہاں موت کی مصیبت پیش آجائے تو تمھارے غیروں میں سے دو گواہ لے لئے جائیں۔ پھر اگر تم کو شبہ ہوجائے تو دونوں گواہوں کو نماز کے بعد روک لو اور وہ دونوں خدا کی قسم کھاکر کہیں کہ ہم کسی قیمت کے عوض اس کو نہ بیچیں گے خواہ کوئی قرابت دار ہی کیوں نہ ہو۔ اور نہ ہم اللہ کی گواہی کو چھپائیں گے۔ اگر ہم ایسا کریں تو بے شک ہم گنہ گار ہوں گے۔ پھر اگر پتہ چلے کہ ان دونوں نے کوئی حق تلفی کی ہے تو ان کی جگہ دو اور شخص ان لوگوں میں سے کھڑے ہوں جن کا حق پچھلے دو گواہوں نے مارنا چاہا تھا۔ وہ خدا کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی سے زیادہ برحق ہے اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی ہے۔ اگر ہم ایسا کریں تو ہم ظالموں میں سے ہوں گے۔ یہ قریب ترین طریقہ ہے کہ لوگ گواہی ٹھیک دیں۔ یا اس سے ڈریں کہ ہماری قسم ان کی قسم کے بعد الٹی پڑے گی۔ اور اللہ سے ڈرو اور سنو۔ اللہ نافرمانوں کو سیدھی راہ نہیں چلاتا

۱۰۶ — ۱۰۸

ایک آدمی سفر کرتا ہے اور اس کے ساتھ مال ہے۔ راستہ میں اس کی موت کا وقت آجاتا ہے۔ اب اگر وہ اپنے قریب دو مسلمان پائے تو ان کو اپنا مال دے دے اور اس کے بارے میں انھیں وصیت کردے۔ اگر دو مسلمان بروقت نہ ملیں تو غیر مسلموں میں سے دو آدمی کے ساتھ یہی معاملہ کرے۔ یہ دو صاحبان مال لاکر اس کو وارثوں کے حوالے کریں۔ اس وقت وارثوں کو اگر ان کے بیان کے بارے میں شبہ ہوجائے تو کسی نماز کے بعد مسجد میں ان گواہوں کو روک لیا جائے۔ یہ دونوں شخص عام مسلمانوں کے سامنے قسم کھائیں کہ انھوں نے مرنے والے کی طرف سے جو کچھ کہا صحیح کہا۔ اگر وارث اس کے حلفیہ بیان پر مطمئن نہ ہوں تو وارثوں میں سے دو آدمی اپنی بات کے حق میں قسم کھائیں اور پھر ان کی قسم کے مطابق فیصلہ کردیا جائے۔ وارثوں کو یہ حق دینا گویا ایک ایسا روک قائم کرنا ہے کہ کوئی خیانت کرنے والا خیانت کرنے کی جرأت نہ کرسکے۔

شریعت میں ایک مصلحت یہ ملحوظ رکھی گئی ہے کہ روزمرہ کے معاملات میں ایسے احکام دئے جائیں جو آدمی کی وسیع تر زندگی کے لئے سبق ہوں۔ کسی شخص کے مرنے کے بعد اس کے مال کا حق داروں تک پہنچنا ایک خاندانی اور معاشی معاملہ ہے۔ مگر اس کو دو اہم باتوں کی تربیت کا ذریعہ بنادیا گیا۔ ایک یہ کہ لوگوں میں یہ مزاج بنے کہ معاملات میں وہ تعلق اور رشتہ داری کا لحاظ نہ کریں بلکہ صرف حق کا لحاظ کریں۔ وہ یہ دیکھیں کہ حق کیا ہے نہ یہ کہ بات کس کے موافق جارہی ہے اور کس کے خلاف۔ دوسرے یہ کہ ہر بات کو خدا کی گواہی سمجھنا۔ کوئی بات جو آدمی کے پاس ہے وہ خدا کی ایک امانت ہے۔ کیونکہ آدمی نے اس کو خدا کی دی ہوئی آنکھ سے دیکھا اور خدا کے دئے ہوئے حافظہ میں اس کو محفوظ رکھا۔ اور اب خدا کی دی ہوئی زبان سے وہ اس کے متعلق اعلان کررہا ہے۔ ایسی حالت میں یہ امانت میں خیانت ہوگی کہ آدمی بات کو اس طرح نہ بیان کرے جیسا کہ اس نے دیکھا اور جس طرح اس کے حافظہ نے اس کو محفوظ رکھا۔

جس دن اللہ پیغمبروں کو جمع کرے گا پھر پوچھے گا تم کو کیا جواب ملا تھا۔ وہ کہیں گے ہمیں کچھ علم نہیں، چھپی ہوئی باتوں کو جاننے والا تو ہی ہے۔ جب اللہ کہے گا اے عیسیٰ بن مریم، میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمھاری ماں پر کیا جب کہ میں نے روح پاک سے تمھاری مدد کی۔ تم لوگوں سے کلام کرتے تھے گود میں بھی اور بڑی عمر میں بھی۔ اور جب میں نے تم کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی۔ اور جب تم مٹی سے پرندہ جیسی صورت میرے حکم سے بناتے تھے پھر اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتی تھی۔ اور تم اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے۔ اور جب تم مُردوں کو میرے حکم سے نکال کھڑا کرتے تھے۔ اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تم سے روکا جب کہ تم ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو ان کے منکروں نے کہا یہ تو بس ایک کھلا ہوا جادو ہے ۱۱۰-۱۰۹

پیغمبروں پر جو لوگ ایمان لائے، بعد کے زمانہ میں سب کے اندر بگاڑ پیدا ہوا۔ انھوں نے اپنے طور پر ایک دین بنایا اور اس کو اپنے پیغمبر کی طرف منسوب کر دیا۔ اس کے باوجود ہر گروہ اپنے آپ کو اپنے پیغمبر کی امت شمار کرتا رہا۔ حالانکہ پیغمبر کی اصل تعلیمات سے ہٹنے کے بعد اس کا پیغمبر سے کوئی تعلق باقی نہ رہا تھا۔ یہودی اپنے کو حضرت موسیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور عیسائی اپنے کو حضرت عیسیٰ کی طرف۔ حالاں کہ ان کے مروجہ دین کا خدا کے ان پیغمبروں سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ حقیقت موجودہ امتحان کی دنیا میں چھپی ہوئی ہے۔ مگر قیامت کے دن وہ کھول دی جائے گی۔ اس دن خدا تمام پیغمبروں کو اور اسی کے ساتھ ان کی امتوں کو جمع کرے گا۔ اس وقت امتوں کے سامنے ان کے پیغمبروں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنی امتوں کو کیا تعلیم دی اور امتوں نے تمھاری تعلیمات کو کس طرح اپنایا۔ اس طرح ہر امت پر اس کے پیغمبر کی موجودگی میں واضح کیا جائے گا کہ اس نے خدا کے دین کے معاملہ میں اپنے پیغمبر کی کیا کیا خلاف ورزی کی ہے اور کس طرح خود ساختہ دین کو ان کی طرف منسوب کیا ہے۔

انھیں پیغمبروں میں سے ایک مثال حضرت عیسیٰ کی ہے جو خاتم النبین اور آپ سے پہلے کے انبیاء کی درمیانی کڑی ہیں۔ حضرت عیسیٰ کو انتہائی خصوصی معجزے دئے گئے۔ آپ پر ایمان لانے والے بہت کم تھے اور آپ کے مخالفین (یہود) کو ہر طرح کا دنیوی زور حاصل تھا۔ اس کے باوجود وہ حضرت عیسیٰ کا کچھ نقصان نہ کر سکے اور نہ آپ کے ساتھیوں کو ختم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ان معجزات کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ لوگ آپ کے لائے ہوئے دین کو مان لیتے۔ مگر عملاً یہ ہوا کہ آپ کے مخالفین نے یہ کہہ کر آپ کو نظر انداز کر دیا کہ وہ جو معجزے دکھا رہے ہیں وہ سب جادو کا کرشمہ ہے۔ اور جو لوگ آپ پر ایمان لائے، انھوں نے بعد کے زمانہ میں آپ کو خدائی کا درجہ دے دیا۔ قیامت کے دن آپ کی پیروی کا دعویٰ کرنے والوں کے سامنے یہ حقیقت کھول دی جائے گی کہ حضرت عیسیٰ نے جو کمالات دکھائے وہ سب خدا کے حکم سے تھے۔ آپ کے دشمنوں نے آپ کو جن خطرات میں ڈالا ان سے بھی اللہ ہی نے آپ کو بچایا۔ جب صورت حال یہ تھی اور حضرت عیسیٰ خود سامنے کھڑے ہو کر اس کی تصدیق کر رہے ہیں تو اب ان کے امتی بتائیں کہ انھوں نے آپ کی طرف جو دین منسوب کیا وہ کس نے انھیں دیا تھا۔

اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈال دیا کہ مجھ پر ایمان لاؤ اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو انھوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم فرماں بردار ہیں۔ جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسٰی ابن مریم، کیا تمھارا رب یہ کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان اتارے۔ عیسٰی نے کہا اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔ انھوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہوں اور ہم یہ جان لیں کہ تو نے ہم سے سچ کہا اور ہم اس پر گواہی دینے والے بن جائیں۔ عیسٰی ابن مریم نے دعا کی کہ اے اللہ، ہمارے رب، تو آسمان سے ہم پر ایک خوان اتار جو ہمارے لئے ایک عید بن جائے، ہمارے اگلوں کے لئے اور ہمارے پچھلوں کے لئے اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو۔ اور ہم کو عطا کر، تو ہی بہترین عطا کرنے والا ہے۔ اللہ نے کہا میں یہ خوان ضرور تم پر اتاروں گا۔ پھر اس کے بعد تم میں سے جو شخص منکر ہوگا اس کو میں ایسی سزا دوں گا جو دنیا میں کسی کو نہ دی ہوگی ۵ ۱۱۱ — ۱۱۵

لوگوں کو حق کی طرف پکارنے کا کام اگرچہ داعی انجام دیتا ہے مگر پکار پر لبیک کہنا ہمیشہ خدا کی توفیق سے ہوتا ہے۔ دعوت کی صداقت کو دلائل سے جان لینے کے بعد بھی بہت سی رکاوٹیں باقی رہتی ہیں جو آدمی کو اس کی طرف بڑھنے نہیں دیتیں ——— داعی کا ایک عام انسان کی صورت میں دکھائی دینا، یہ اندیشہ کہ دعوت قبول کرنے کے بعد زندگی کا بنا بنایا ڈھانچہ ٹوٹ جائے گا، یہ سوال کہ اگر یہ سچائی ہے تو فلاں فلاں بڑے لوگ کیا سچائی سے محروم تھے، وغیرہ۔ یہ ایک انتہائی نازک موڑ ہوتا ہے جہاں آدمی فیصلہ کے کنارے پہنچ کر بھی فیصلہ نہیں کر پاتا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں خدا اس کی مدد کرتا ہے۔ جس شخص کے اندر وہ کچھ خیر دیکھتا ہے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو شبہ کی سرحد پار کرا دیتا ہے اور اس کو یقین کے دائرہ میں داخل کر دیتا ہے۔

خدا کی طرف سے ہر وقت انسان کو رزق فراہم کیا جا رہا ہے۔ حتی کہ پوری زمین انسان کے لئے 'رزق' کا دسترخوان بنی ہوئی ہے۔ مگر مومنین مسیح نے آسمان سے طعام اتارنے کا مطالبہ کیا تو ان کو سخت تنبیہہ کی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام حالات میں ہم کو جو رزق ملتا ہے وہ اسباب کے پردہ میں مل رہا ہے۔ جب کہ مومنین مسیح کا مطالبہ یہ تھا کہ اسباب کا پردہ ہٹا کر ان کا رزق انھیں دیا جائے۔ یہ چیز سنت اللہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر اسباب کا ظاہری پردہ ہٹا دیا جائے تو امتحان کس بات کا ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ کھیت سے لہلہاتی ہوئی فصل کا پیدا ہونا یا مٹی کے اندر سے ایک شاداب درخت کا نکل کر کھڑا ہو جانا بھی اسی طرح معجزہ ہے جس طرح بادلوں میں ہو کر کسی خوان کا ہماری طرف آنا۔ مگر ان واقعات کا معجزہ ہونا ہم کو اس لئے نظر نہیں آتا کہ وہ پردہ میں ہو کر ظاہر ہو رہے ہیں۔ آدمی کا امتحان یہ ہے کہ وہ پردہ کو پھاڑ کر حقیقت کو دیکھ سکے۔ وہ "زمین" سے نکلنے والے رزق کو "آسمان" سے اترنے والے رزق کے روپ میں پالے۔ اگر کوئی شخص یہ مطالبہ کرے کہ میں دیکھ کر مانوں گا تو گویا وہ کہہ رہا ہے کہ امتحان سے گزرے بغیر میں خدا کی رحمت میں داخل ہوں گا۔ حالاں کہ خدا کی سنت کے مطابق ایسا ہونا ممکن نہیں۔

اور جب اللہ پوچھے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا کے سوا معبود بنالو۔ وہ جواب دیں گے کہ تو پاک ہے، میرا یہ کام نہ تھا کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے یہ کہا ہوگا تو تجھ کو ضرور معلوم ہوگا۔ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے بے شک تو ہی ہے چھپی باتوں کا جاننے والا۔ میں نے ان سے وہی بات کہی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا۔ یہ کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا بھی۔ اور میں ان پر گواہ تھا جب تک میں ان میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا تو ان پر تو ہی نگراں تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔ اگر تو ان کو سزا دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو تو ہی زبردست ہے حکمت والا ہے۔ اللہ کہے گا آج وہ دن ہے کہ سچوں کو ان کا سچ کام آئے گا۔ ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۱۲۰-۱۱۶

قیامت جب آئے گی تو حقیقتیں اس طرح کھل جائیں گی کہ آدمی بغیر بتائے ہوئے یہ جان لے گا کہ سچ کیا ہے اور غلط کیا۔ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں گے کہ ساری طاقتیں صرف ایک اللہ کو حاصل ہیں۔ خالق اور مالک، معبود اور مطلوب ہونے میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔ اس کے سوا کسی کو نہ کوئی طاقت حاصل ہے اور نہ اس کے سوا کوئی اس قابل ہے کہ اس کی عبادت و اطاعت کی جائے۔ ایسی حالت میں جب خدا اپنے پیغمبروں سے پوچھے گا کہ میں نے تم کو کیا پیغام دے کر دنیا میں بھیجا تھا تو یہ ایک ایسی بات کا پوچھنا ہوگا جو پہلے ہی لوگوں کے لئے معلوم شدہ بن چکی ہوں گی۔ اس سوال کا جواب اس وقت اتنا کھلا ہوا ہوگا کہ کسی کے بولے بغیر قیامت کا پورا ماحول اس کا جواب پکار رہا ہوگا۔ یہ سوال و جواب محض لوگوں کی رسوائی میں اضافہ کرنے کے لئے ہوگا۔ وہ اس لئے ہوگا کہ پیغمبروں کے سامنے کھڑا کر کے لوگوں پر واضح کیا جائے کہ پیغمبروں کے نام پر جو دین تم نے بنا رکھا تھا وہ ان کی حقیقی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا

یہ دنیا امتحان کے لئے بنائی گئی ہے۔ اس لئے یہاں ہر ایک کو آزادی ہے۔ یہاں آدمی خدا اور رسول کی طرف ایسا دین منسوب کر کے بھی پھل پھول سکتا ہے جس کا خدا اور رسول سے کوئی تعلق نہ ہو۔ یہاں فرضی امیدوں اور جھوٹی آرزوؤں پر بھی جنت کو اپنا حق ثابت کیا جا سکتا ہے۔ یہاں یہ ممکن ہے کہ آدمی اپنی قیادت کے ہنگامے کھڑے کرے اور یہ ثابت کرے کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے وہی عین خدا کا دین ہے۔ مگر قیامت میں اس قسم کی کوئی چیز کام آنے والی نہیں۔ قیامت میں جو چیز کام آئے گی وہ صرف یہ کہ آدمی خدا کی نظر میں سچا ثابت ہو۔ آسمانی کتاب کی حامل قوموں کا امتحان یہ نہیں ہے کہ وہ ایمان کی دعوے دار بنتی ہیں یا نہیں۔ ان کا امتحان یہ ہے کہ وہ اپنے دعوئ ایمان کو سچا ثابت کرتی ہیں یا نہیں۔

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور روشنی کو بنایا۔ پھر بھی منکر لوگ دوسروں کو اپنے رب کا ہمسر ٹھہراتے ہیں۔ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر ایک مدت مقرر کی اور مقررہ مدت اسی کے علم میں ہے۔ پھر بھی تم شک کرتے ہو۔ اور وہی اللہ آسمانوں میں ہے اور وہی زمین میں۔ وہ تمھارے چھپے اور کھلے کو جانتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ۳-۱

آسمان اور زمین کا نظام اپنی ساری وسعتوں کے باوجود اتنا مربوط اور اتنا وحدانی ہے کہ وہ پکار رہا ہے کہ اس کا خالق اور منتظم ایک خدا کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ پھر زمین و آسمان کی یہ کائنات اپنے پھیلاؤ اور اپنی حکمت و معنویت کے اعتبار سے ناقابل قیاس حد تک عظیم ہے۔ سورج کے روشن کرہ کے گرد خلا میں زمین کی حد درجہ منظم گردش اور اس سے زمین کی سطح پر روشنی اور تاریکی اور دن اور رات کا پیدا ہونا انسان کے تمام قیاس و گمان سے کہیں زیادہ بڑا واقعہ ہے۔ اب جو خدا اتنے بڑے کائناتی کارخانہ کو اتنے باکمال طریقہ پر چلا رہا ہے اس کی ذات میں وہ کون سی کمی ہو سکتی ہے جس کی تلافی کے لئے وہ کسی کو اپنا شریک ٹھہرائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری دنیا اور اس کے اندر قائم شدہ حیرت ناک نظام خود ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کا خدا صرف ایک ہے اور یہی نظام اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ یہ خدا اتنا عظیم الشان ہے کہ اس کو اپنی تخلیق اور انتظام میں کسی مددگار کی ضرورت نہیں۔

موجودہ دنیا کی عمر محدود ہے۔ یہاں دکھ سے خالی زندگی ممکن نہیں۔ یہاں ہر خوش گواری کے ساتھ ناخوش گواری کا پہلو لگا ہوا ہے۔ یہاں شر کو خیر سے اور خیر کو شر سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی حالت میں آدمی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ آخرت کی ابدی دنیا جو ہر قسم کے حزن (فاطر ۳۴) سے خالی ہوگی کیسے بن جائے گی۔ اگر کسی اور مادہ سے آخرت کی دنیا بننے والی ہو تو انسان اس سے واقف نہیں اور اگر اسی دنیا کے مادہ سے وہ دوسری دنیا بننے والی ہے تو اس دنیا کے اندر اس قسم کی ایک کامل دنیا کو وجود میں لانے کی صلاحیت نہیں۔

مگر سوال کرنے والے کا خود اپنا وجود ہی اس سوال کا جواب دینے کے لئے کافی ہے۔ انسان کا جسم پورا کا پورا مٹی (زمینی اجزاء) سے بنا ہے، مگر اس کے اندر ایسی منفرد صلاحیتیں ہیں جن میں سے کوئی صلاحیت بھی مٹی کے اندر نہیں۔ آدمی سنتا ہے، وہ بولتا ہے، وہ سوچتا ہے، وہ طرح طرح کے حیرت ناک عمل انجام دیتا ہے۔ حالانکہ وہ جس مٹی سے بنا ہے وہ اس قسم کا کوئی بھی عمل انجام نہیں دے سکتی۔ زمینی اجزاء سے حیرت انگیز طور پر ایک غیر زمینی مخلوق بن کر کھڑی ہو گئی ہے۔ یہ ایک ایسا تجربہ ہے جو ہر روز آدمی کے سامنے آ رہا ہے۔ ایسی حالت میں کیسی عجیب بات ہے کہ آدمی آخرت کے واقع ہونے پر شک کرے۔ اگر مٹی سے جیتا جاگتا انسان نکل سکتا ہے۔ اگر مٹی سے خوشبودار پھول اور ذائقہ دار پھل برآمد ہو سکتے ہیں تو ہماری موجودہ دنیا سے ایک اور زیادہ کامل اور زیادہ معیاری دنیا کیوں ظاہر نہیں ہو سکتی۔

اور ان کے رب کی نشانیوں میں سے جو نشانی بھی ان کے پاس آتی ہے وہ اس سے اعراض کرتے ہیں۔ چنانچہ جو حق ان کے پاس آیا ہے اس کو بھی انھوں نے جھٹلا دیا۔ پس عنقریب ان کے پاس اس چیز کی خبریں آئیں گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا۔ ان کو ہم نے زمین میں جماؤ دیا تھا جتنا تم کو نہیں جمایا۔ اور ہم نے ان پر آسمان سے خوب بارش برسائی اور ہم نے نہریں جاری کیں جو ان کے نیچے بہتی تھیں پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے باعث ہلاک کر ڈالا۔ اور ان کے بعد ہم نے دوسری قوموں کو اٹھایا ۴-۶

خدا اور آخرت کی دعوت جو خدا کی براہ راست تائید سے اٹھی ہو اس کے ساتھ واضح علامتیں ہوتی ہیں جو اس بات کا اعلان کر رہی ہوتی ہیں کہ یہ ایک سچی دعوت ہے اور خدا کی طرف سے ہے ——— اس کا اس فطرت کے انداز پر ہونا جس پر خدا کی ابدی دنیا کا نظام قائم ہے۔ اس کا ایسے دلائل کی بنیاد پر اٹھنا جس کا توڑ کسی کے لئے ممکن نہ ہو۔ اس کی پشت پر ایسے داعی کا ہونا جس کی سنجیدگی اور اخلاص پر شبہ نہ کیا جا سکتا ہو۔ اس کے ساتھ ایسے تائیدی واقعات کا وابستہ ہونا کہ مخالفین اپنی برتر قوت کے باوجود اس کے خلاف اپنے تخریبی منصوبوں میں کامیاب نہ ہوئے ہوں۔ اس طرح کے واضح قرائن ہیں جو اس کے برحق ہونے کی طرف کھلا اشارہ کر رہے ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود انسان اس پر یقین نہیں کرتا اور اس کا ساتھ دینے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام تائیدی قرائن اپنی ساری وضاحت کے باوجود ہمیشہ اسباب کے پردہ میں ظاہر ہوتے ہیں۔ آدمی کے سامنے جب یہ قرائن آتے ہیں تو وہ ان کو مخصوص اسباب کی طرف منسوب کر کے انھیں نظر انداز کر دیتا ہے، اس کا ذہن اعتراف کے رخ پر چلنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔ وہ کہتا ہے کہ یہ دعوت اگر خدا کی طرف سے ہوتی تو خدا اور فرشتے برہنہ صورت میں اس کے ساتھ موجود ہوتے۔ حالانکہ یہ خیال سراسر باطل ہے۔ کیونکہ خدا اور فرشتے جب برہنہ صورت میں سامنے آجائیں تو وہ فیصلہ کا وقت ہوتا ہے نہ کہ دعوت اور تبلیغ کا۔

جن لوگوں کو زمین میں جماؤ حاصل ہو، جنھوں نے اپنے لئے معاشی ساز و سامان جمع کر لیا ہو، جن کو اپنے آس پاس عظمت و مقبولیت کے مظاہر دکھائی دیتے ہوں وہ ہمیشہ غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں۔ وہ اپنے گرد جمع شدہ چیزوں کے مقابلہ میں ان چیزوں کو حقیر سمجھ لیتے ہیں جو داعی حق کے گرد خدا نے جمع کی ہیں۔ ان کی یہ خود اعتمادی اتنا بڑھتی ہے کہ وہ خدا کی طرف سے بھی بے خوف ہو جاتے ہیں۔ وہ داعی حق کی اس تنبیہ کا مذاق اڑانے لگتے ہیں کہ تمھاری سرکشی جاری رہی تو تمھاری مادی ترقیاں تم کو خدا کی پکڑ سے نہ بچا سکیں گی۔ داعی حق کو ناچیز سمجھنا ان کی نظر میں داعی کی تنبیہات کو بھی ناچیز بنا دیتا ہے۔ ماضی کے وہ تاریخی واقعات بھی ان کو سبق دینے کے لئے کافی ثابت نہیں ہوتے جب کہ بڑے بڑے مادی استحکام کے باوجود خدا نے لوگوں کو اس طرح مٹا دیا جیسے ان کی کوئی قیمت ہی نہ تھی ——— زمین میں بار بار ایک قوم کا گرنا اور دوسری قوم کا ابھرنا ظاہر کرتا ہے کہ یہاں مکافات کا قانون نافذ ہے۔ مگر آدمی سبق نہیں لیتا۔ پچھلے لوگ دوبارہ اسی عمل کو دہراتے ہیں جس کی وجہ سے اگلے لوگ برباد ہوگئے۔

اور اگر ہم تم پر ایسی کتاب اتارتے جو کاغذ میں لکھی ہوئی ہوتی اور وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تب بھی انکار کرنے والے یہ کہتے کہ یہ تو ایک کھلا ہوا جادو ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ اور اگر ہم کوئی فرشتہ اتارتے تو معاملہ کا فیصلہ ہوجاتا پھر انھیں کوئی مہلت نہ ملتی۔ اور اگر ہم کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتے تو اس کو بھی آدمی بناتے اور ان کو اسی شبہ میں ڈال دیتے جس میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں۔ اور تم سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا تو ان میں سے جن لوگوں نے مذاق اڑایا ان کو اس چیز نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ کہو، زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا ١١ — ٧

دنیا میں آدمی کی گمراہی کا سبب یہ ہے کہ یہاں اس کو حق کے انکار کی پوری آزادی ملی ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ اس کو یہ موقع بھی حاصل ہے کہ وہ اپنے انکار کی خوبصورت توجیہہ کرسکے۔ امتحان کی اس دنیا میں اتنی وسعت ہے کہ یہاں الفاظ ہر اس مفہوم میں ڈھل جاتے ہیں جس میں انسان ان کو ڈھالنا چاہے۔ داعی اگر ایک عام انسان کے روپ میں ظاہر ہو تو آدمی اس کو یہ کہہ کر نظر انداز کرسکتا ہے کہ یہ ایک شخص کا قیادتی حوصلہ ہے نہ کہ کوئی حق و صداقت کا معاملہ۔ اسی طرح اگر آسمان سے کوئی لکھی لکھائی کتاب اتر آئے تو اس کو رد کرنے کے لئے بھی وہ یہ الفاظ پالے گا کہ یہ تو ایک جادو ہے۔

مکہ کے لوگ کہتے تھے کہ پیغمبر اگر خدا کی طرف سے اس کی پیغام بری کے لئے مقرر کیا گیا ہے تو اس کے ساتھ خدا کے فرشتے کیوں نہیں جو اس کی تصدیق کریں۔ اس قسم کی باتیں آدمی اس لئے کہتا ہے کہ وہ دعوت کے معاملہ میں سنجیدہ نہیں ہوتا۔ اگر وہ سنجیدہ ہو تو اس کو فوراً معلوم ہوجائے کہ یہ دنیا امتحان کی دنیا ہے۔ امتحان اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ غیبی حقیقتوں پر پردہ پڑا ہوا ہو۔ اگر غیبی حقیقتیں کھل جائیں اور خدا اور اس کے فرشتے سامنے آجائیں تو پھر پیغمبری اور دعوت رسانی کا کوئی سوال ہی نہ ہوگا۔ کیوں کہ اس کے بعد کسی کو یہ جرأت ہی نہ ہوگی کہ وہ حقائق کا انکار کرسکے ——— موجودہ دنیا میں لوگ اپنی ظاہر پرستی کی وجہ سے خدا کے داعی کو اس کی باتوں کی عظمت میں نہیں دیکھ پاتے، وہ اس کا اندازہ صرف اس کے ظاہری پہلو کے اعتبار سے کرتے ہیں اور ظاہری اعتبار سے غیر اہم پاکر اس کا انکار کردیتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اس کا مذاق اڑانے لگتے ہیں۔ خدا کے داعی کا معاملہ ان کو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک معمولی آدمی اچانک اٹھ کر بہت بڑی حیثیت کا دعویٰ کرنے لگے۔

اس دنیا میں دعوت رسانی کا سارا معاملہ خدا کے قانون التباس کے تحت ہوتا ہے۔ یہاں حق کے اوپر ایک شبہ کا پہلو رکھا گیا ہے تاکہ آدمی اقرار کے دلائل کے ساتھ کچھ انکار کے وجوہ بھی پاسکتا ہو۔ آدمی کا اصل امتحان یہ ہے کہ وہ اس شبہ کے پردے کو پھاڑ کر اپنے کو یقین کے مقام پر پہنچائے۔ وہ شبہ کے پہلوؤں کو حذف کرکے یقین کے پہلوؤں کو لے لے۔ آدمی کا اصل امتحان یہ ہے کہ وہ دیکھے بغیر مانے۔ جب حقیقت کو دکھا دیا جائے تو پھر ماننے کی کوئی قیمت نہیں۔

پوچھو کہ کس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ کہو سب کچھ اللہ کا ہے۔ اس نے اپنے اوپر رحمت لکھ لی ہے۔ وہ ضرور تم کو جمع کرے گا قیامت کے دن، اس میں کوئی شک نہیں۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا وہی ہیں جو اس پر ایمان نہیں لاتے۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ ٹھیرتا ہے رات میں اور جو کچھ دن میں۔ اور وہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ کہو، کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو مددگار بناؤں جو بنانے والا ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا۔ کہو مجھ کو حکم ملا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا بنوں اور تم ہرگز مشرکوں میں سے نہ بنو۔ کہو اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں جس شخص سے وہ اس روز ہٹا لیا گیا۔ اس پر اللہ نے بڑا رحم فرمایا اور یہی کھلی کامیابی ہے ۱۶—۱۲

انسان کھلے ہوئے حق کا انکار کرتا ہے۔ وہ طاقت پا کر دوسروں کو ذلیل کرتا ہے۔ ایک انسان دوسرے انسان کو اپنے ظلم کا نشانہ بناتا ہے۔ ایسا کیوں ہے۔ کیا انسان کو اس دنیا میں مطلق اقتدار حاصل ہے۔ کیا یہاں اس کا کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ کیا خدا کے یہاں تضاد ہے کہ اس نے بقیہ دنیا کو رحمت و معنویت سے بھر رکھا ہے اور انسان کی دنیا کو ظلم اور بے انصافی سے۔ ایسا نہیں ہے۔ جو خدا زمین و آسمان کا مالک ہے وہی خدا اس مخلوق کا مالک بھی ہے جو دن کو متحرک ہوتی ہے اور راتوں کو قرار پکڑتی ہے۔ خدا جس طرح بقیہ کائنات کے لئے سراپا رحمت ہے اسی طرح وہ انسانوں کے لئے بھی سراپا رحمت ہے۔ فرق یہ ہے کہ بقیہ دنیا میں خدا کی رحمتوں کا ظہور اول دن سے ہے اور انسان کی دنیا میں اس کی رحمتوں کا کامل ظہور قیامت کے دن ہوگا۔

انسان ارادی مخلوق ہے اور اس سے ارادی عبادت مطلوب ہے۔ اسی سے یہ بات نکلتی ہے کہ جو لوگ اپنے ارادہ کا صحیح استعمال نہ کریں وہ اس قابل نہیں کہ ان کو خدا کی رحمتوں میں حصہ دار بنایا جائے۔ کیوں کہ انھوں نے اپنے مقصد تخلیق کو پورا نہ کیا۔ آزمائشی مدت پوری ہونے کے بعد سارے لوگ ایک نئی دنیا میں جمع کئے جائیں گے۔ اس دن خدا اسی طرح دنیا کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لے گا جس طرح آج وہ بقیہ کائنات کا انتظام اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہے۔ اس روز خدا کا انصاف کا ترازو کھڑا ہوگا۔ اس دن وہ لوگ سرفراز ہوں گے جنھوں نے حقیقت واقعہ کا اعتراف کر کے اپنے کو خدائی اطاعت میں دے دیا۔ اور وہ لوگ گھاٹے میں رہیں گے جنھوں نے حقیقت واقعہ کا اعتراف نہیں کیا اور خدا کی دنیا میں سرکشی اور ہٹ دھرمی کے طریقے پر چلتے رہے۔

انسان جب بھی سرکشی کرتا ہے کسی برتے پر کرتا ہے۔ مگر جن چیزوں کے بدتے پر انسان سرکشی کرتا ہے ان کی اس کائنات میں کوئی حقیقت نہیں۔ یہاں ہر چیز بے زور ہے، زور والا صرف ایک خدا ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس لئے فیصلہ کے دن وہی شخص بامراد ہوگا جس نے حقیقی سہارے کو اپنا سہارا بنایا ہوگا، جس نے حقیقی دین کو اپنی زندگی کے دین کی حیثیت سے اختیار کیا ہوگا۔

اور اگر اللہ تجھ کو کوئی دکھ پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں۔ اور اگر اللہ تجھ کو کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اسی کا زور ہے اپنے بندوں پر۔ اور وہ حکمت والا سب کی خبر رکھنے والا ہے، تم پوچھو کہ سب سے بڑا گواہ کون ہے۔ کہو اللہ، وہ میرے اور تمھارے درمیان گواہ ہے اور مجھ پر یہ قرآن اترا ہے تاکہ میں تم کو اس سے خبردار کردوں اور اس کو جسے یہ پہنچے۔ کیا تم اس کی گواہی دیتے ہو کہ خدا کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں۔ کہو، میں اس کی گواہی نہیں دیتا۔ کہو، وہ تو بس ایک ہی معبود ہے اور میں بری ہوں تمھارے شرک سے ۱۹-۱۷

ہمارے سامنے جو عظیم کائنات پھیلی ہوئی ہے اس کے مختلف اجزاء باہم اتنے زیادہ مربوط ہیں کہ یہاں کسی ایک واقعہ کو ظہور میں لانے کے لئے بھی پوری کائنات کی مساعدت ضروری ہے۔ اس بنا پر کوئی بھی انسان کسی واقعہ کو ظہور میں لانے پر قادر نہیں۔ کیوں کہ کوئی بھی انسان کائنات کے اوپر قابو یافتہ نہیں۔ یہاں ایک چھوٹی سی چیز بھی اس وقت وقوع میں آتی ہے جب کہ بے شمار عالمی اسباب اس کی پشت پر جمع ہو گئے ہوں۔ اور خدا کے سوا کوئی نہیں جو ان اسباب پر حکمراں ہو۔ کائناتی اسباب کے درمیان آدمی صرف ایک حقیر ارادہ کا مالک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں کسی کو کوئی سکھ ملے یا کسی کو کوئی دکھ پہنچے، دونوں ہی براہ راست خدا کی اجازت کے تحت ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں کسی کا یہ سوچنا بھی حماقت ہے کہ وہ کسی کو آباد یا برباد کر سکتا ہے۔ اور یہ بات بھی مضحکہ خیز حد تک بے معنی ہے کہ خدا کے سوا کوئی بھی ہے جس سے آدمی ڈرے یا خدا کے سوا کوئی ہے جس سے وہ اپنی امیدیں وابستہ کرے۔

دنیا میں اہل حق اور اہل باطل کے درمیان جو کش مکش جاری ہے اس میں فیصلہ کن چیز صرف خدا کی کتاب ہے۔ خدا کے سوا کسی کو حقائق کا علم نہیں، اور خدا کے سوا کسی کو کسی قسم کا زور حاصل نہیں۔ اس لئے خدا ہی وہ ہستی ہے جو اس جھگڑے میں واحد ثالث ہے۔ اور خدا نے قرآن کی صورت میں یہ ثالث لوگوں کے درمیان رکھ دیا ہے اب آدمی کے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ اگر وہ قرآن کی صداقت سے بے خبر ہے تو وہ تحقیق کرکے جانے کہ کیا واقعۃً وہ خدا کی کتاب ہے۔ اور جب وہ جان لے کہ وہ فی الواقع خدا کی کتاب ہے تو اس کو لازماً اس کے فیصلہ پر راضی ہو جانا چاہئے۔ جو آدمی قرآن کے فیصلہ پر راضی نہ ہو وہ یہ خطرہ مول لے رہا ہے کہ آخرت میں رسوائی اور عذاب کی قیمت پر اس کو اس کے فیصلہ پر راضی ہونا پڑے۔

قرآن اس لئے اتارا گیا ہے کہ فیصلہ کا وقت آنے سے پہلے لوگوں کو آنے والے وقت سے ہوشیار کر دیا جائے۔ رسول نے یہی کام اپنے زمانہ میں کیا اور آپ کی امت کو یہی کام آپ کے بعد قیامت تک انجام دینا ہے۔ قرآن اس بات کی پیشگی اطلاع ہے کہ آخرت کی ابدی دنیا میں لوگوں کا خدا لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہے۔ پہنچانے والے اس وقت اپنی ذمہ داری سے سبک دوش ہو جاتے ہیں جب کہ وہ اس کو پوری طرح لوگوں تک پہنچا دیں مگر سننے والے خدا کے یہاں اس وقت سبک دوش ہوں گے جب کہ وہ اس کو مانیں اور اس کو اپنی عملی زندگی میں اختیار کریں۔ داعی کی ذمہ داری "تبلیغ" پر ختم ہوتی ہے اور مدعو کی ذمہ داری "اطاعت" پر۔

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنے کو گھاٹے میں ڈالا وہ اس کو نہیں مانتے۔ اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بہتان باندھے یا اللہ کی نشانیوں کو جھٹلائے۔ یقیناً ظالموں کو فلاح نہیں ملتی۔ اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ہم کہیں گے ان شریک ٹھہرانے والوں سے کہ تمھارے وہ شریک کہاں ہیں جن کا تم کو دعویٰ تھا۔ پھر ان کے پاس کوئی فریب نہ رہے گا مگر یہ کہ وہ کہیں گے کہ اللہ اپنے رب کی قسم، ہم شرک کرنے والے نہ تھے۔ دیکھو، کس طرح اپنے آپ پر جھوٹ بولے اور کھوئی گئیں ان سے وہ باتیں جو وہ بنایا کرتے تھے ۲۰ـ۲۴

حقیقت آدمی کے لئے جانی پہچانی چیز ہے۔ کیونکہ وہ آدمی کی فطرت میں پیوست ہے اور کائنات میں ہر طرف خاموش زبان میں بول رہی ہے۔ یہود و نصاریٰ کا معاملہ اس باب میں اور بھی زیادہ آگے تھا۔ کیونکہ ان کے انبیاء اور ان کے صحیفے ان کو قرآن اور پیغمبر آخر الزماں کے بارے میں صاف لفظوں میں پیشگی خبر دے چکے تھے، حتیٰ کہ ان کے لئے اسے جاننا ایسا ہی تھا جیسا اپنے بیٹے کو جاننا۔

اس قدر کھلا ہوا ہونے کے باوجود انسان کیوں حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس کی وجہ وقتی نقصان کا اندیشہ ہے۔ حقیقت کو ماننا ہمیشہ اس قیمت پر ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کو بڑائی کے مقام سے اتارے، وہ تقلیدی ڈھانچہ سے باہر آئے، وہ ملے ہوئے فائدوں کو ترک کرے۔ آدمی یہ قربانی دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا اس لئے وہ حق کو بھی قبول نہیں کرتا۔ وقتی فائدے کی خاطر وہ اپنے کو ابدی گھاٹے میں ڈال دیتا ہے۔

اپنے اس موقف پر مطمئن رہنے کے لئے مزید یہ بات اس کو دھوکے میں ڈالتی ہے کہ وہ امتحان کی اس دنیا میں ہمیشہ اپنے موافق توجیہات پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ وہ سچائی کے حق میں ظاہر ہونے والے دلائل کو رد کرنے کے لئے جھوٹے الفاظ پا لیتا ہے۔ حتیٰ کہ یہاں اس کو یہ آزادی بھی حاصل ہے کہ حقیقت کی خود ساختہ تعبیر کرکے یہ کہہ سکے کہ سچائی عین وہی ہے جس پر میں قائم ہوں۔

جب بھی آدمی خدا کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کو اپنا مرکز توجہ بناتا ہے تو دھیرے دھیرے ان چیزوں کے گرد تائیدی باتوں کا طلسم تیار ہو جاتا ہے۔ وہ موہوم آرزوؤں اور جھوٹی تمناؤں کا ایک خود ساختہ ہالہ بنا لیتا ہے جو اس کو اس فریب میں مبتلا رکھتے ہیں کہ اس نے بڑے مضبوط سہارے کو پکڑ رکھا ہے۔ مگر قیامت میں جب تمام پردے پھٹ جائیں گے اور آدمی دیکھے گا کہ خدا کے سوا تمام سہارے بالکل جھوٹے تھے تو اس کے سامنے اس کے سوا کوئی راہ نہ ہوگی کہ وہ خود اپنی کہی ہوئی باتوں کی تردید کرنے لگے۔ گویا اس قسم کے لوگ اس وقت خود اپنے خلاف جھوٹے گواہ بن جائیں گے۔ دنیا میں وہ جن چیزوں کے حامی بنے رہے اور جن سے منسوب ہونے کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے رہے، آخرت میں خود ان کے منکر ہو جائیں گے۔ انھوں نے عقائد اور توجیہات کا جو جھوٹا قلعہ کھڑا کیا تھا وہ اس طرح ڈھ جائے گا جیسے اس کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔

اور ان میں بعض لوگ ایسے ہیں جو تمہاری طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دئے ہیں کہ وہ اس کو نہ سمجھیں۔ اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے۔ اگر وہ تمام نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ تمہارے پاس تم سے جھگڑنے آتے ہیں تو وہ منکر کہتے ہیں کہ یہ تو بس پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ وہ لوگوں کو روکتے ہیں اور خود بھی اس سے الگ رہتے ہیں۔ وہ خود اپنے کو ہلاک کر رہے ہیں مگر وہ نہیں سمجھتے۔ اور اگر تم ان کو اس وقت دیکھو جب وہ آگ پر کھڑے کئے جائیں گے اور کہیں گے کہ کاش ہم پھر بھیج دئے جائیں تو ہم اپنے رب کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں۔ اب ان پر وہ چیز کھل گئی جس کو وہ اس سے پہلے چھپاتے تھے۔ اور اگر وہ واپس بھیج دئے جائیں تو وہ پھر وہی کریں گے جس سے وہ روکے گئے تھے۔ اور بے شک وہ جھوٹے ہیں ۲۸ — ۲۵

موجودہ امتحان کی دنیا میں آدمی کو یہ موقع حاصل ہے کہ وہ ہر بات کی مفید مطلب توجیہہ کر سکے۔ اس لئے جو لوگ تعصب کا ذہن لے کر بات کو سنتے ہیں ان کا حال ایسا ہوتا ہے جیسے ان کے کان بند ہوں اور ان کے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہوں۔ وہ سن کر بھی نہیں سنتے اور بتانے کے بعد بھی نہیں سمجھتے۔ دلائل اپنی ساری وضاحت کے باوجود ان کو مطمئن کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ کیوں کہ وہ جو کچھ سنتے ہیں مجادلہ کے ذہن سے سنتے ہیں نہ کہ نصیحت کے ذہن سے۔ ان کے اندر بات کو سننے اور سمجھنے کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی بات کا اصل پہلو ان کے ذہن کی گرفت میں نہیں آتا۔ اس کے برعکس ہر بات کو الٹی شکل دینے کے لئے انھیں کوئی نہ کوئی چیز مل جاتی ہے۔ دلائل ان کے ذہن کا جز نہیں بنتے۔ اپنے مخالفانہ ذہن کی وجہ سے وہ ہر بات میں کوئی ایسا پہلو نکال لیتے ہیں جس کو غلط معنی دے کر وہ اپنے آپ کو بدستور مطمئن رکھیں کہ وہ حق پر ہیں۔

جو لوگ یہ مزاج رکھتے ہوں ان کے لئے تمام دلائل بے کار ہیں۔ کیونکہ امتحان کی اس دنیا میں کوئی بھی دلیل ایسی نہیں جو آدمی کو اس سے روک دے کہ وہ اس کی تردید کے لئے کچھ خود ساختہ الفاظ نہ پائے۔ اگر کوئی دلیل نہ مل رہی ہو تب بھی وہ حقارت کے ساتھ یہ کہہ کر اس کو نظر انداز کر دے گا: "یہ کون سی نئی بات ہے۔ یہ تو وہی پرانی بات ہے جو ہم بہت پہلے سے سنتے چلے آرہے ہیں"۔ اس طرح آدمی اس کی صداقت کو مان کر بھی اس کو رد کرنے کا ایک بہانہ پالے گا۔ ایسے لوگ خدا کے نزدیک دہرا مجرم ہیں۔ کیونکہ وہ نہ صرف خود حق سے رکتے ہیں بلکہ ایک خدائی دلیل کو غلط معنی پہنا کر عام لوگوں کی نظر میں بھی اس کو مشکوک بناتے ہیں جو اتنی سمجھ نہیں رکھتے کہ باتوں کا گہرائی کے ساتھ تجزیہ کر سکیں۔

دنیا کی زندگی میں اس قسم کے لوگ خوب بڑھ بڑھ کر باتیں کرتے ہیں۔ دنیا میں حق کا انکار کر کے آدمی کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اس لئے وہ غلط فہمی میں پڑا رہتا ہے۔ مگر قیامت میں جب اس کو آگ کے اوپر کھڑا کر کے پوچھا جائے گا تو ان پر ساری حقیقتیں کھل جائیں گی۔ اچانک وہ ان تمام باتوں کا اقرار کرنے لگے گا جن کو وہ دنیا میں ٹھکرا دیا کرتا تھا۔

اور کہتے ہیں کہ زندگی تو بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے۔ اور ہم پھر اٹھائے جانے والے نہیں۔ اور اگر تم اس وقت دیکھتے جب کہ وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے۔ وہ ان سے پوچھے گا: کیا یہ حقیقت نہیں ہے، وہ جواب دیں گے ہاں، ہمارے رب کی قسم، یہ حقیقت ہے۔ خدا فرمائے گا۔ اچھا تو عذاب چکھو اس انکار کے بدلے جو تم کرتے تھے۔ یقیناً وہ لوگ گھاٹے میں رہے جنھوں نے اللہ سے ملنے کو جھٹلایا۔ یہاں تک کہ جب وہ گھڑی ان پر اچانک آئے گی تو وہ کہیں گے ہائے افسوس، اس باب میں ہم نے کیسی کوتاہی کی اور وہ اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ دیکھو، کیسا برا بوجھ ہے جس کو وہ اٹھائیں گے اور دنیا کی زندگی تو بس کھیل تماشا ہے اور آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ رکھتے ہیں، کیا تم نہیں سمجھتے ۲۹-۳۲

جب بھی کوئی آدمی حق کا انکار کرتا ہے یا نفس کی خواہشات پر چلتا ہے تو ایسا اس بنا پر ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھ کر دنیا میں نہیں رہتا کہ مرنے کے بعد وہ دوبارہ اٹھایا جائے گا اور مالک کائنات کے سامنے حساب کتاب کے لئے کھڑا کیا جائے گا۔ دنیا میں آدمی کو اختیار ملا ہوا ہے جس کو وہ بے روک ٹوک استعمال کرتا ہے۔ اس کو مال و دولت اور دوست اور ساتھی حاصل ہیں جن پر وہ بھروسہ کر سکتا ہے۔ اس کو عقل ملی ہوئی ہے جس سے وہ سرکشی کی باتیں سوچے اور اپنے ظالمانہ عمل کی خوبصورت توجیہہ کر سکے۔ یہ چیزیں اس کو دھوکے میں ڈالتی ہیں۔ وہ خدا کے سوا دوسری چیزوں پر جھوٹا بھروسہ کر لیتا ہے۔ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ جیسا میں آج ہوں ویسا ہی میں ہمیشہ رہوں گا۔ وہ بھول جاتا ہے کہ دنیا میں اس کو جو کچھ ملا ہوا ہے وہ بطور امتحان ہے نہ کہ بطور استحقاق۔

اس قسم کی زندگی خواہ وہ آخرت کا انکار کرکے ہو یا انکار کے الفاظ بولے بغیر ہو، آدمی کا سب سے بڑا جرم ہے۔ جن دنیوی چیزوں کو آدمی اپنا سب کچھ سمجھ کر ان پر ٹوٹتا ہے۔ آخر کس حق کی بنا پر وہ ایسا کر رہا ہے۔ آدمی جس روشنی میں چلتا ہے اور جس ہوا میں سانس لیتا ہے اس کا کوئی معاوضہ اس نے ادا نہیں کیا ہے۔ وہ جس زمین سے اپنا رزق نکالتا ہے اس کا کوئی بھی جز اس کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ وہ تمام پسندیدہ چیزیں جن کو حاصل کرنے کے لئے آدمی دوڑتا ہے ان میں سے کوئی چیز نہیں جو اس کی اپنی ہو۔ جب یہ چیزیں انسان کی پیدا کی ہوئی نہیں ہیں تو جو ان تمام چیزوں کا مالک ہے کیا اس کا آدمی کے اوپر کوئی حق نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی کا موجودہ دنیا کو استعمال کرنا ہی لازم کر دیتا ہے کہ وہ ایک روز اس کے مالک کے سامنے حساب کے لئے کھڑا کیا جائے۔

جو لوگ دنیا کو خدا کی دنیا سمجھ کر زندگی گزاریں ان کی زندگی تقویٰ کی زندگی ہوتی ہے۔ اور جو لوگ اس کو خدا کی دنیا نہ سمجھیں ان کی زندگی لہو و لعب کی زندگی ہوتی ہے۔ لہو و لعب کی زندگی چند روز کا تماشا ہے جو مرنے کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔ اور تقویٰ کی زندگی خدا کے ابدی اصولوں پر قائم ہے اس لئے وہ ابدی طور پر آدمی کا سہارا بنے گی۔ موجودہ دنیا میں آدمی ان حقیقتوں کا انکار کرتا ہے مگر امتحان کی آزادی ختم ہوتے ہی وہ اس کا اقرار کرنے پر مجبور ہوگا اگرچہ اس وقت کا اقرار اس کے کچھ کام نہ آئے گا۔

ہم کو معلوم ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اس سے تم کو رنج ہوتا ہے۔ یہ لوگ تم کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم دراصل اللہ کی نشانیوں کا انکار کر رہے ہیں۔ اور تم سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا تو انھوں نے جھٹلائے جانے اور تکلیف پہنچانے پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کو ہماری مدد پہنچ گئی۔ اور اللہ کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ اور پیغمبروں کی کچھ خبریں تم کو پہنچ ہی چکی ہیں۔ اور اگر ان کی بے رخی تم پر گراں گزر رہی ہے تو اگر تم میں کچھ زور ہے تو زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈو یا آسمان میں سیڑھی لگاؤ اور ان کے لئے کوئی نشانی لے آؤ۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ پس تم نادانوں میں سے نہ بنو۔ قبول تو وہی لوگ کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور مُردوں کو اللہ اٹھائے گا پھر وہ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے ۳۶-۳۳

ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے محمد، خدا کی قسم ہم تم کو نہیں جھٹلاتے۔ یقیناً تم ہمارے درمیان ایک سچے آدمی ہو۔ مگر ہم اس چیز کو جھٹلاتے ہیں جس کو تم لائے ہو۔ مکہ کے لوگ جو ایمان نہیں لائے وہ آپ کو ایک اچھا انسان مانتے تھے۔ مگر کسی کے متعلق یہ ماننا کہ اس کی زبان پر حق جاری ہوا ہے اس کو بہت بڑا اعزاز دینا ہے اور اتنا بڑا اعزاز دینے کے لئے وہ تیار نہ تھے۔ آپ کو جب وہ "سچا"، یا "ایمان دار"، کہتے تو ان کو یہ نفسیاتی تسکین حاصل رہتی کہ آپ ہماری ہی سطح کے ایک انسان ہیں۔ مگر اس بات کا اقرار کہ آپ کی زبان پر خدا کا کلام جاری ہوا ہے آپ کو اپنے سے اونچا درجہ دینے کے ہم معنی تھا۔ اور اس قسم کا اعتراف آدمی کے لئے مشکل ترین کام ہے۔

موجودہ دنیا میں خدا اپنی براہ راست صورت میں سامنے نہیں آتا، وہ دلائل اور نشانیوں کی صورت میں انسان کے سامنے ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے حق کے دلائل کو نہ ماننا یا اس کے حق میں ظاہر ہونے والی نشانیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لینا گویا خدا کو نہ ماننا اور خدا کے چہرہ کی طرف سے آنکھیں پھیر لینا ہے۔ تاہم ایسا نہیں ہوسکتا کہ خدا مجبور کن معجزات کے ساتھ سامنے آئے۔ مجبور کن معجزات کے جلو میں خدا کی دعوت پیش کی جائے تو پھر اختیار کی آزادی ختم ہوجائے گی اور امتحان کے لئے آزادانہ اختیار کا ماحول ہونا ضروری ہے۔ داعی کو اس بات کا غم نہ کرنا چاہئے کہ اس کے ساتھ صرف دلائل کا وزن ہے، غیر معمولی قسم کی تسخیری قوتیں اس کے پاس موجود نہیں۔ داعی کو اس فکر میں پڑنے کے بجائے صبر کرنا چاہئے۔ دعوت حق کی جدوجہد ایک طرف داعی کے صبر کا امتحان ہوتی ہے اور دوسری طرف مخاطبین کے لئے اس بات کا امتحان کہ وہ اپنے جیسے ایک انسان میں نمائندہ خدا ہونے کی جھلک دیکھیں۔ وہ انسان کے منھ سے نکلے ہوئے کلام میں خدائی کلام کی عظمتوں کو پالیں، وہ مادی زور سے خالی دلائل کے آگے اس طرح جھک جائیں جس طرح وہ زور آور خدا کے آگے جھکیں گے —— زندہ لوگوں کے لئے ساری کائنات نشانیوں سے بھری ہوئی ہے۔ اور جنھوں نے اپنے احساسات کو مردہ کر لیا ہو وہ قیامت کے زلزلہ کے سوا کسی اور چیز سے سبق نہیں لے سکتے۔

اور وہ کہتے ہیں کہ رسول پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں اتری۔ کہو اللہ بے شک قادر ہے کہ کوئی نشانی اتارے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور جو بھی جانور زمین پر چلتا ہے اور جو بھی پرندہ اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتا ہے وہ سب تمھاری ہی طرح کے انواع ہیں۔ ہم نے لکھنے میں کوئی چیز نہیں چھوڑی ہے۔ پھر سب اپنے رب کے پاس اکٹھے کیے جائیں گے۔ اور جنھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا وہ بہرے اور گونگے ہیں، تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ اللہ جس کو چاہتا ہے بھٹکا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے ۳۹-۳۷

ان آیات کے اختصار کو کھول دیا جائے تو پورا مضمون اس طرح ہوگا ——— وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر کے ساتھ غیر معمولی نشانی کیوں نہیں جو اس کے پیغام کے برحق ہونے کا ثبوت ہو۔ تو اللہ ہر قسم کی نشانی اتارنے پر قادر ہے۔ مگر اصل سوال نشانی کا نہیں بلکہ لوگوں کی بے علمی کا ہے۔ نشانیاں تو بے شمار تعداد میں ہر طرف بکھری ہوئی ہیں جب لوگ ان موجود نشانیوں سے سبق نہیں لے رہے ہیں تو کوئی نئی نشانی اتارنے سے وہ کیا فائدہ اٹھا سکیں گے طرح طرح کے چلنے والے جانور اور مختلف قسم کی اڑنے والی چڑیاں جو زمین میں اور فضا میں موجود ہیں وہ تمھارے لئے نشانیاں ہی تو ہیں۔ ان تمام زندہ مخلوقات سے بھی اللہ کو وہی کچھ مطلوب ہے جو تم سے مطلوب ہے۔ اور ہر ایک سے جو کچھ مطلوب ہے وہ خدا نے اس کے لئے لکھ دیا ہے، انسان کو شرعی طور پر، اور دوسری مخلوقات کو جبلی طور پر۔ چڑیوں اور جانوروں جیسی مخلوقات خدا کے لکھے پر پورا پورا عمل کر رہی ہیں۔ مگر انسان خدا کے لکھے کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے یہ معاملہ نشانی کا نہیں بلکہ اندھے پن کا ہے، بقیہ تمام مخلوقات جو دین اختیار کئے ہوئے ہیں، انسان کے لئے اس کے سوا کوئی دین اختیار کرنے کا جواز کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن کو عمل کرنا ہے وہ نشانی کا مطالبہ کئے بغیر عمل کر رہے ہیں اور جن کو عمل کرنا نہیں ہے وہ نشانیوں کے ہجوم میں رہ کر نشانیاں مانگ رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کا انجام یہی ہے کہ قیامت میں سب کو جمع کر کے دکھا دیا جائے کہ ہر قسم کے حیوانات کس طرح حقیقت پسندی کا طریقہ اختیار کر کے خدا کے راستہ پر چل رہے تھے۔ یہ صرف انسان تھا جو اس سے انحراف کرتا رہا۔

جانوروں کی دنیا مکمل طور پر مطابق فطرت دنیا ہے۔ ان کے یہاں رزق کی تلاش ہے مگر لوٹ اور ظلم نہیں۔ ان کے یہاں ضرورت ہے مگر حرص اور خود غرضی نہیں۔ ان کے یہاں باہمی تعلقات ہیں مگر ایک دوسرے کی کاٹ نہیں۔ ان کے یہاں اونچ نیچ ہے مگر حسد اور غرور نہیں۔ ان کے یہاں ایک کو دوسرے سے تکلیف پہنچتی ہے مگر بغض و عداوت نہیں۔ ان کے یہاں کام ہو رہے ہیں مگر کریڈٹ لینے کا شوق نہیں۔ مگر انسان سرکشی کرتا ہے۔ وہ خدائی نقشہ کا پابند بننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ انسان سے جس چیز کا مطالبہ ہے وہ ٹھیک وہی ہے جس پر دوسرے حیوانات قائم ہیں۔ پھر اس کے لئے معجزہ مانگنے کی کیا ضرورت۔ حیوانات کی صورت میں چلتی پھرتی نشانیاں کیا آدمی کے سبق کے لئے کافی نہیں ہیں جو خدائی طریق عمل کا زندہ نمونہ پیش کر رہی ہیں اور اس طرح پیغمبر کی تعلیمات کے برحق ہونے کی عملی تصدیق کرتی ہیں۔

کہو، یہ بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آئے یا قیامت آجائے تو کیا تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکاروگے۔ بتاؤ اگر تم سچے ہو، بلکہ تم اسی کو پکاروگے۔ پھر وہ دور کر دیتا ہے اس مصیبت کو جس کے لئے تم اس کو پکارتے ہو۔ اگر وہ چاہتا ہے۔ اور تم بھول جاتے ہو ان کو جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو　۴۱ — ۴۰

ابو جہل کے لڑکے عکرمہ اسلام کے سخت دشمن تھے۔ وہ فتح مکہ تک اسلام کے مخالف بنے رہے۔ فتح مکہ کے دن بھی انھوں نے ایک مسلمان کو تیر مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ عکرمہ ان اشخاص میں تھے جن کے متعلق فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ جہاں ملیں قتل کر دئے جائیں۔

مکہ جب فتح ہو گیا تو عکرمہ مکہ چھوڑ کر جدہ کی طرف بھاگے۔ انھوں نے چاہا کہ کشتی کے ذریعہ بحر قلزم پار کر کے حبش پہنچ جائیں۔ مگر وہ کشتی میں سوار ہو کر سمندر میں پہنچے تھے کہ تند ہواؤں نے کشتی کو گھیر لیا۔ کشتی خطرہ میں پڑ گئی۔ کشتی کے مسافر سب مشرک لوگ تھے۔ انھوں نے لات اور عزیٰ وغیرہ اپنے بتوں کو مدد کے لئے پکارنا شروع کیا۔ مگر طوفان کی شدت بڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ مسافروں کو یقین ہو گیا کہ اب کشتی ڈوب جائے گی۔ اب کشتی والوں نے کہا کہ اس وقت لات وعزیٰ کچھ کام نہ دیں گے۔ اب صرف ایک خدا کو پکارو، وہی تم کو بچا سکتا ہے۔ چنانچہ سب ایک خدا کو پکارنے لگے۔ اب طوفان تھم گیا اور کشتی واپس اپنے ساحل پر آگئی۔ عکرمہ پر اس واقعہ کا بہت اثر ہوا۔ انھوں نے کہا: خدا کی قسم، دریا میں اگر کوئی چیز خدا کے سوا کام نہیں آسکتی تو یقیناً خشکی میں بھی خدا کے سوا کوئی دوسری چیز کام نہیں آسکتی۔ خدایا میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تو نے مجھ کو اس سے نجات دے دی جس میں اس وقت میں پھنسا ہوا ہوں تو میں ضرور محمد کے یہاں جاؤں گا اور اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دوں گا اور مجھے یقین ہے کہ میں ان کو معاف کرنے والا، درگزر کرنے والا اور مہربان پاؤں گا۔ (اللھم لک علی عہد ان عافیتنی مما انا فیہ ان آتی محمدا حتیٰ اضع یدی فی یدہ فلاجدنہ عفوا غفورا کریما، رواہ ابوداؤد والنسائی)

ساری تاریخ کا یہ مشاہدہ ہے کہ انسان نازک لمحات میں خدا کو پکارنے لگتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ شخص بھی جو عام زندگی میں خدا کے سوا دوسروں پر بھروسہ کئے ہو یا سرے سے خدا کو مانتا نہ ہو۔ یہ خدا کے وجود اور اس کے قادر مطلق ہونے کی فطری شہادت ہے۔ غیر معمولی حالات میں جب ظاہری پردے ہٹ جاتے ہیں اور آدمی تمام مصنوعی خیالات کو بھول چکا ہوتا ہے اس وقت آدمی کو خدا کے سوا کوئی چیز یاد نہیں آتی۔ بالفاظ دیگر، مجبوری کے نقطہ پر پہنچ کر ہر آدمی خدا کا اقرار کر لیتا ہے، قرآن کا مطالبہ یہ ہے کہ یہی اقرار اور اطاعت آدمی اس وقت کرنے لگے جب کہ بظاہر مجبور کرنے والی کوئی چیز اس کے سامنے موجود نہ ہو۔

بقیہ حیوانات اپنی جبلت کے تحت حقیقت پسندانہ زندگی گزار رہے ہیں۔ مگر انسان کو جو چیز حقیقت پسندی اور اعتراف کی سطح پر لاتی ہے وہ خوف کی نفسیات ہے۔ حیوانات کی دنیا میں جو کام جبلت کرتی ہے، انسان کی دنیا میں وہی کام تقویٰ انجام دیتا ہے۔

سیرت کا ایک صفحہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اپنے فوجی سرداروں کو حکم دیا کہ وہ کسی سے جنگ نہ کریں الا یہ کہ کوئی خود ان سے لڑنے کے لئے آجائے (ان لا یقاتلوا الا من قاتلھم) فتح کے بعد آپ نے عمومی طور پر ان سب لوگوں کی معافی کا اعلان کر دیا جنھوں نے آپ کے خلاف سخت ترین جرائم کئے تھے۔ البتہ آپ نے کچھ لوگوں کی بابت فرمایا کہ وہ قتل کر دئے جائیں خواہ وہ کعبہ کے پردے کے نیچے پائے جائیں۔ ابن ہشام وغیرہ نے اپنی سیرت کی کتابوں میں نام بنام ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ عبداللہ بن سعد: یہ مسلمان ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کاتب وحی مقرر کیا۔ پھر وہ مرتد ہو کر کافروں سے جا ملے۔ فتح مکہ کے بعد جب ان کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل کا حکم دیا ہے تو وہ بھاگ کر حضرت عثمان کے پاس پہنچے جو ان کے دودھ شریک بھائی تھے۔ وہ ان کو چھپا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور کہا کہ ان کو دوبارہ مسلمان کر لیجئے۔ آپ خاموش رہے۔ حضرت عثمان نے پھر درخواست کی تو آپ نے ان سے بیعت لے لی۔ حضرت عمر اور حضرت عثمان کے زمانۂ خلافت میں وہ مصر کے حاکم رہے اور افریقہ کی فتح میں ان کا خاص حصہ تھا۔

۲۔ عبداللہ بن خطل: اس نے پہلے اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صدقہ وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ اس کے ساتھ ایک غلام اور ایک انصاری تھے۔ ایک منزل پر پہنچ کر عبداللہ بن خطل نے اپنے غلام سے کہا کہ مرغ ذبح کر کے اس کو پکاؤ۔ مگر غلام سو گیا۔ اور وقت پر کھانا تیار نہ کر سکا۔ اس پر ابن خطل کو غصہ آگیا اور اس نے غلام کو مار ڈالا۔ اب اس کو ڈر ہوا کہ اگر میں مدینہ واپس جاتا ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے قصاص لیں گے۔ چنانچہ وہ مرتد ہو کر مکہ چلا گیا اور مشرکین سے مل گیا۔ وہ شاعر تھا اور آپؐ کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا۔ فتح مکہ کے دن ابن خطل خانہ کعبہ کے پردوں سے لپٹ گیا۔ آپ کو بتایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہیں جا کر قتل کر دو۔ چنانچہ ابو برزہ اسلمی اور سعید بن حریثؓ نے حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان اس کو قتل کیا۔

۳۔ فرتنیٰ: یہ مذکورہ عبداللہ بن خطل کی باندی تھی۔ وہ آپ کی ہجو میں اشعار پڑھتی تھی اور مشرکین مکہ کی شراب کی مجلسوں میں گاتی بجاتی تھی۔ آپ نے ابن خطل کے ساتھ اس کے قتل کا بھی حکم دیا اور وہ قتل کر دی گئی۔

۴۔ قُریبہ: یہ بھی عبداللہ بن خطل کی باندی تھی اور اس کا بھی وہی پیشہ تھا جو فرتنیٰ کا تھا۔ آپ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ مگر اس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر امن کی درخواست کی۔ اس کو آپ نے امن دے دیا اور وہ مسلمان ہو گئی۔

۵۔ حویرث بن نُقیذ بن وہب: یہ شخص شاعر تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں شعر کہتا تھا،

بالفاظ دیگر استہزا ء و تمسخر کی حد تک اسلام کا مخالف تھا۔ حضرت عباس بن مطلب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں، فاطمہ اور ام کلثوم کو لے کر مکہ سے مدینہ روانہ ہوئے۔ حویرث بن نقیذ نے ان کا پیچھا کیا اور ان کے اونٹ کو نیزہ مار کر بھڑکا دیا جس کی وجہ سے دونوں خواتین زمین پر گر پڑیں۔ آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا اور حضرت علی نے اس کو قتل کر دیا۔

۶۔ مقیس بن صبابہ: اس شخص کا ایک بھائی ہشام بن صبابہ تھا۔ غزوہ ذی قرد کے موقع پر ایک انصاری نے ہشام کو غلطی سے قتل کر دیا۔ اس کے بعد مقیس بن صبابہ مکہ سے مدینہ آیا اور مسلمان ہو گیا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے بھائی کی دیت مجھے دلائی جائے جو غلطی سے دشمن سمجھ کر قتل کیا گیا ہے۔ آپ نے اس کی دیت ادا کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد وہ چند دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہا اور پھر اپنے بھائی کے قاتل کو قتل کر کے اچانک مکہ بھاگ گیا اور مرتد ہو گیا۔ آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا اور نمیلہ بن عبداللہ لیثی نے اس کو قتل کیا۔

۷۔ سارہ: یہ عورت عکرمہ بن ابی جہل کی باندی تھی۔ آپ کی ہجو میں اشعار گایا کرتی تھی اور آپ کا مذاق اڑاتی تھی۔ آپ نے اس کا خون مباح کیا تھا۔ پھر اس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر امن مانگا تو آپ نے امن دے دیا۔ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت تک زندہ رہی۔

۸۔ ۹ حرث بن ہشام اور زہیر بن ابی امیہ: ان دونوں شخصوں کا خون بھی مباح کر دیا گیا تھا۔ وہ بھاگ کر اپنی ایک رشتہ دار خاتون ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر میں داخل ہو گئے۔ حضرت علی ان کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں پہنچے اور کہا کہ خدا کی قسم میں ان دونوں کو ضرور قتل کر دوں گا۔ ام ہانی نے حضرت علی کو روکا اور ان دونوں کو اپنے گھر میں بند کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں۔ اور کہا کہ میں نے ان دونوں آدمیوں کو پناہ دی ہے مگر علی ان کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم نے جن کو پناہ دی ہم نے بھی ان کو پناہ دی اور تم نے جن کو امن دیا ہم نے بھی ان کو امن دیا۔ علی رضؓ ان کو قتل نہ کریں۔ چنانچہ وہ دونوں چھوڑ دئے گئے۔

۱۰۔ عکرمہ بن ابی جہل: عکرمہ اپنے باپ کی طرح اسلام کے سخت ترین دشمن تھے۔ ان کا خون بھی آپ نے مباح کر دیا تھا۔ وہ مکہ سے بھاگ کر یمن چلے گئے۔ ان کی بیوی ام حکیم بنت حارث جو مسلمان ہو چکی تھیں۔ انھوں نے اپنے شوہر کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امان کی درخواست کی۔ آپ نے ان کی امان منظور کر لی۔ اس کے بعد وہ یمن گئیں اور عکرمہ کو مکہ واپس لائیں۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ عکرمہ نے اس کے بعد اسلام کے لئے زبردست جانی و مالی قربانی دی۔ وہ حضرت ابوبکر کی خلافت کے زمانہ میں مرتدین سے لڑتے ہوئے اجنادین کے مقام پر شہید ہوئے۔

۱۱۔ ہبار بن الاسود: اس شخص سے مسلمانوں کو بہت تکلیفیں پہنچی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی زینب زوجہ ابوالعاص ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ جا رہی تھیں۔ ہبار بن اسود نے آپ کے اونٹ کو

نیزہ مارا۔ اس کے بعد اونٹ بدک کر دوڑا تو حضرت زینب اونٹ سے زمین پر گر پڑیں۔ اس وقت وہ حاملہ تھیں۔ ان کا حمل ساقط ہوگیا۔ اس کے بعد وہ آخر عمر تک بیمار رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہبار کے قتل کا حکم دیا تھا۔ ہبار نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر امان طلب کی اور کہا کہ اے خدا کے رسول میری جہالت کو معاف کر دیجئے اور میرا اسلام قبول کر لیجئے۔ آپ نے ان کو معاف کر دیا۔

۱۲۔ وحشی بن حرب: وحشی نے آپ کے چچا حضرت حمزہ کو قتل کیا تھا اور ان کا خون بھی مباح کر دیا گیا تھا۔ وہ اولاً مکہ سے طائف بھاگ گئے۔ پھر مدینہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی غلطی کی معافی چاہتے ہوئے اسلام کی پیش کش کی۔ آپ نے ان کو اسلام میں داخل کر لیا اور ان کو معاف کر دیا۔ وہ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ میں شریک ہوئے اور جس حربہ سے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا اسی حربہ سے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا۔

۱۳۔ کعب بن زہیر: عرب کے مشہور شاعر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہا کرتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر ان کا خون بھی مباح کر دیا گیا۔ وہ مکہ سے بھاگ گئے۔ وہ بعد کو مدینہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگتے ہوئے بیعت کی درخواست کی۔ آپ نے ان کو بیعت کر لیا اور اس کے بعد ان کو اپنی چادر عنایت فرمائی۔

۱۴۔ حارث بن طلاطل: یہ شخص شاعر تھا اور اشعار کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ آپ نے اس کا خون مباح کر دیا اور حضرت علی رضؓ نے اس کو قتل کیا۔

۱۵۔ عبداللہ بن زبعری: یہ عرب کے بڑے شاعروں میں سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت میں ہجویہ اشعار کہا کرتے تھے۔ آپ نے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ وہ مکہ سے بھاگ کر نجران چلے گئے۔ بعد میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر انھوں نے توبہ کی اور اسلام لائے۔ آپ نے ان کو معاف کر دیا۔

۱۶۔ ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی: یہ شخص شاعر تھا اور شعر کہہ کر آپ کا اور آپ کے مشن کا استہزا کیا کرتا تھا۔ آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ وہ مکہ سے بھاگ کر نجران چلا گیا اور وہیں کفر کی حالت میں مر گیا۔

۱۷۔ ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان: اس عرب خاتون کو اسلام سے اتنی دشمنی تھی کہ غزوہ احد کے موقع پر انھوں نے حضرت حمزہ کا جگر نکال کر چبایا تھا۔ آپ نے ان کے قتل کا حکم دیا۔ مگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگتے ہوئے اسلام قبول کر لیا۔ آپ نے ان کو معاف کر دیا۔ اس کے بعد وہ اپنے گھر گئیں اور تمام بتوں کو توڑ ڈالا اور کہا: خدا کی قسم تمہاری ہی وجہ سے ہم دھوکہ میں تھے۔

اوپر جو تفصیل درج کی گئی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد سترہ مردوں اور عورتوں کے قتل کا حکم دیا تھا۔ ان میں سے ہر شخص متعین اور معلوم شخصی جرم کی بنا پر گردن زدنی تھا تاہم ان میں سے جس شخص نے بھی معافی مانگی یا اس کی طرف سے کسی نے معافی کی درخواست کی اس کو آپ نے معاف کر دیا۔

معافی طلب کرنے والوں میں سے کسی کو بھی قتل نہیں کیا گیا۔ سترہ آدمیوں کا خون مباح کیا گیا تھا، ان میں سے گیارہ آدمیوں کو براہ راست یا بالواسطہ معافی طلب کرنے پر معاف کر دیا گیا۔ پانچ آدمی جنھوں نے معافی کی درخواست نہیں کی وہ قتل کر دیے گئے اور ایک آدمی مکہ سے دور بھاگ گیا اور طبعی موت سے اس کا خاتمہ ہوا۔

ایک سوال اور اس کا جواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی جس کا نام فاطمہ تھا۔ اس کے قبیلہ والوں کو ڈر ہوا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اسامہ بن زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریبی لوگوں میں تھے۔ چنانچہ لوگوں نے اسامہ سے کہا کہ تم رسول اللہ علیہ وسلم سے سفارش کرو کہ ہماری عورت کو چھوڑ دیا جائے۔ حضرت اسامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فاطمہ مخزومی کی معافی کی درخواست کی۔ یہ سن کر آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا، آپ نے فرمایا: کیا تم اللہ کی حدوں میں سے ایک حد کے لئے مجھ سے سفارش کر رہے ہو (أتكلمني في حد من حدود الله) اس کے بعد آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور تقریر کرتے ہوئے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر میری لڑکی فاطمہ چوری کرتی تو یقیناً میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا (والذی نفس محمد بیدہ لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدھا) چنانچہ اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اس کے بعد وہ تائب ہو کر ایک صالح خاتون بن گئی (بخاری ومسلم)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی ایک حد کو معاف کرنے کا اختیار کسی کو نہیں ہے۔ پھر کیوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد لوگوں کو اتنی فراخ دلی کے ساتھ معاف کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام حالت میں کیے جانے والے جرم اور جنگی حالت میں کیے جانے والے جرم میں فرق ہے۔ عام حالات میں کوئی شخص جرم کرے تو اس کا جرم معاف نہیں کیا جا سکتا۔ مگر جنگ ومقابلہ کے دوران دشمن گروہ کے افراد جو جرائم کرتے ہیں وہ اس وقت معاف کر دیے جاتے ہیں جب کہ مذکورہ فرد اطاعت قبول کر کے معافی کا طالب ہو۔ غیر جنگی حالات میں کیا ہوا جرم "حد" پر ختم ہوتا ہے اور جنگی حالات میں کیا ہوا جرم اطاعت اور درخواست معافی پر۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے دشمن صلح کی درخواست کریں تو اس کو قبول کر لو، حتیٰ کہ اس وقت بھی جب کہ یہ اندیشہ ہو کہ امان پا کر وہ دھوکہ دیں گے۔ حالاں کہ یہ صلح کی درخواست کرنے والے لوگ وہ تھے جنھوں نے مسلمانوں کے خلاف بدترین قسم کے وحشیانہ جرائم کیے تھے:

وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوکل علی الله انه هو السمیع العلیم ۔ وان یریدوا ان یخدعوك فان حسبك الله هو الذی ایدك بنصره وبالمومنین

(انفال ۶۲ – ۶۱)

اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اس طرف جھک جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور اگر وہ تم کو دھوکا دینا چاہیں تو اللہ تمہارے لئے کافی ہے، وہی ہے جس نے اپنی نصرت سے اور مومنین کے ذریعہ تم کو قوت دی۔

عمل کا آخری درجہ زبان کو روکنا ہے

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ایک روایت مسند احمد میں نقل ہوئی ہے۔ اس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہا کہ عَلِّمْنِی عَمَلاً یُدْخِلُنِی الجنۃ (مجھے ایسا عمل بتائیے جو مجھ کو جنت میں لے جائے) آپ نے فرمایا: گردنوں کو آزاد کرو، دودھ والی اونٹنی دوسرے کو دودھ پینے کے لئے دو۔ قطع تعلق کرنے والے سے تعلق جوڑو۔ بھوکے کو کھانا کھلاؤ۔ پیاسے کو پانی پلاؤ۔ لوگوں کو بھلی بات بتاؤ اور بری بات سے روکو۔ آخر میں آپ نے فرمایا: فَإِن لَمْ تُطِقْ ذٰلِكَ فَكُفَّ لِسَانَكَ اِلَّا عَنْ خَيرٍ (اگر تم ایسا نہ کر سکو تو اپنی زبان کو روکو اور کلمۂ خیر کے سوا اس سے کچھ نہ نکالو)

دوسرے کی پردہ پوشی خود اپنی پردہ پوشی ہے

حضرت ابو ایوب انصاری رضی نے ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ مگر بعد کو انھیں اس حدیث کے الفاظ کے بارے میں کچھ شک ہوا۔ اس کے سننے میں عقبہ بن عامر بھی شریک تھے جو مصر جا چکے تھے۔ حضرت ابو ایوب انصاری نے اونٹ لیا اور مدینہ سے مصر کے لئے روانہ ہوئے۔ حضرت عقبہ بن عامر کے مکان پر پہنچ کر ان سے ملاقات کی اور کہا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث بیان کرو جو تم نے مسلمانوں کی پردہ پوشی کے بارے میں سنی تھی۔ اس حدیث کے سننے والوں میں اب میرے اور تمھارے سوا کوئی باقی نہیں ہے۔ انھوں نے وہ حدیث ان کے سامنے دہرائی۔ حدیث یہ تھی: جو شخص کسی رسوائی کی بات پر دنیا میں مومن کی پردہ پوشی کرے گا خدا قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا (من ستر مومنا فی الدنیا علی خزیۃ سترہ اللہ یوم القیامۃ، الادب المفرد)

جھوٹ بولنے والا منافق ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر پوچھا گیا: کیا مومن بخیل ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر پوچھا گیا: کیا مومن جھوٹا ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی شخص ایک جھوٹ بات کہتا تھا تو اس کی وجہ سے وہ منافق ہو جاتا تھا۔ اور آج میں سنتا ہوں کہ تم میں سے ایک شخص اس طرح کی جھوٹ بات ہر روز دس بار کہتا ہے (ان الرجل کان یتکلم بالکلمۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیصیر بھا منافقا وانی لا سمعھا من احدکم فی الیوم عشر مرات (یعنی الکذب)

توجیہ کے فرق سے بات بدل جاتی ہے

ایک صحابی دعا کرنے لگے تو ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے: اللّٰھم ارحمنی ومحمدا ولا ترحم معنا احدا (اے اللہ مجھ پر رحم کر اور محمد پر رحم کر۔ اور ہم دونوں کے ساتھ کسی اور پر رحم نہ کر) ایک شخص صحابی پر الزام لگانا چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ رسول کے اصحاب ایک دوسرے سے بغض و حسد رکھتے تھے۔ ان کو یہ پسند نہ تھا کہ

ان کے سوا کسی اور کو خیر میں حصہ نہ ملے۔ مگر مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے کہا: صحابہ حسد اور بغض سے پاک تھے۔ ان کا یہ کلام غلبۂ محبت کے سبب سے تھا نہ کہ حسد کے سبب سے۔

زبان پر قابو رکھیے

قال ابوعمر بلغنی عن سھل بن عبد اللہ التستری انہ قال: ما احدث احد فی العلم شیئا الا سئل عنہ یوم القیامۃ فان وافق السنۃ سلم والا فھو العطب (جامع بیان العلم وفضلہ، جزء ثانی، صفحہ ۱۵۰) عبداللہ تستری نے کہا۔ علم دین میں جو شخص کوئی نئی بات کہے گا تو ضرور اس سے قیامت میں اس کی بابت سوال ہوگا۔ اگر اس کی بات سنت کے مطابق ہو تو وہ بچ جائے گا۔ ورنہ اس کے لئے ہلاکت ہے۔

زیادہ بولنا اچھی علامت نہیں

قال نعیم بن حماد قال سمعت ابن عیینۃ یقول: اجسر الناس علی الفتیا اقلھم علما (جامع بیان العلم وفضلہ، جزء ثانی، صفحہ ۱۶۵) ابن عیینہ تابعی نے کہا: فتوی دینے میں سب سے زیادہ جری وہ لوگ ہوتے ہیں جو علم میں سب سے کم ہوں۔

جھوٹا الزام سب سے زیادہ سنگین جرم ہے

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا: آسمان سے زیادہ بھاری کیا چیز ہے۔ فرمایا: کسی بے گناہ پر جھوٹا الزام لگانا۔

برا وہ ہے جو اپنی زبان پر قابو نہ رکھے

عن اسماء بنت یزید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الا انبئکم بشرارکم قالوا بلیٰ یارسول اللہ قال المشاؤن بالنمیمۃ المفرقون بین الاحبۃ الباغون للبراء العیب (احمد)

اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں بتاؤں کہ تم میں برے لوگ کون ہیں۔ لوگوں نے کہا ہاں اے خدا کے رسول۔ فرمایا وہ لوگ جو چغلی کرتے پھریں۔ اور دوستوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے والے اور بے عیب لوگوں میں عیب چاہنے والے۔

کم بولنا اخلاص کی علامت ہے

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے بہتر لوگ نہیں دیکھے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی وفات تک صرف تیرہ مسئلے دریافت کئے جو سب کے سب قرآن میں موجود ہیں۔ (ما رأیت قوما کانوا خیرا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ما سألوہ الا عن ثلاث عشرۃ مسئالۃ حتی قبض، کلھن فی القرآن) حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا: صحابہ ہمیشہ صرف وہی بات پوچھتے تھے جو ان کے لئے نفع کی بات ہو (قال ما کانوا یسألون الا عما ینفعھم)

اقامت دین اور تفرق فی الدین

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ

شوری ۱۳

اللہ نے تمھارے لئے دین سے وہی چیز مقرر کی جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی وحی ہم نے تمھاری طرف کی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا کہ قائم رکھو دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو۔ مشرکین کو وہ بات بہت گراں گزرتی ہے جس کی طرف تم ان کو بلاتے ہو۔ اللہ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور وہ اپنی طرف اسی کی رہنمائی کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔

اقامت کے معنی ہیں سیدھا کرنا۔ قرآن میں یہی لفظ جھکی ہوئی دیوار کو سیدھا کر دینے کے معنی میں آیا ہے (کہف ۷۷) تفرق کے معنی ہیں پھوٹنا، جدا ہونا۔ قرآن میں یہ لفظ ایسے موقع پر استعمال ہوا ہے جب کہ آدمی اصل شاہراہ کو چھوڑ کر کنارے کے ذیلی راستوں میں بھٹک جائے (انعام ۱۵۳) آیت میں الدین سے مراد توحید اور صرف ایک خدا کی عبادت کرنا ہے۔ یہی وہ دین ہے جو تمام نبیوں کو دیا گیا (وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحی الیه انه لا الٰه الا انا فاعبدون، انبیاء ۲۵) مطلب یہ ہے کہ خدا نے تمام نبیوں کو ایک ہی دین دیا تھا اور وہ توحید کا دین تھا نہ کہ شرک کا دین۔ اس لئے تم اسی دین توحید پر پوری طرح قائم رہو، اس میں شاخیں نکال کر اپنی توجہات کو اِدھر اُدھر نہ پھیرو۔

قرآن کی مذکورہ آیت میں جو حکم ہے وہ اقامت بمقابلہ عدم اقامت نہیں ہے بلکہ اقامت بمقابلہ تفرق ہے۔ یعنی مطلق طور پر یہ نہیں کہا گیا ہے کہ دین کو قائم کرو اور دین کو قائم کئے بغیر نہ رہو۔ بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ "الدین" کو قائم کرو اور "الدین" میں تفرق نہ کرو۔ مطلب یہ ہوا کہ خدا نے جو الدین (اصل دین) اتارا ہے صرف اسی کی اقامت اور پیروی میں لگو، ایسا مت کرو کہ اس اصل دین میں دوسرے دوسرے راستے نکال کر اس میں متفرق ہو جاؤ۔ تمھاری توجہ اصل دین پر لگے نہ کہ متفرق پہلوؤں میں بکھر جائے۔

رمضان کے مہینہ کی ایک شام کو جب کہ راقم الحروف بھوک پیاس سے نڈھال ہو رہا تھا۔ میری زبان سے نکلا: کھانا بھی خدا کی کیسی عجیب نعمت ہے، ایک دن بھی نہ ملے تو آدمی کا برا حال ہو جاتا ہے۔" یہ سن کر ایک صاحب نے کہا: آج کل لوگ کمزور ہو گئے ہیں۔ ورنہ پہلے زمانہ میں ایک دن کیا چار چار دن لوگ بھوکے

رہ جاتے تھے۔ میں نے کہا ہاں، مگر وہ بھی مستقل بھوکے نہیں رہ سکتے تھے۔ اس واقعہ میں مذکورہ بزرگ کا جملہ اصل بات سے تفرق کی ایک مثال ہے۔ کہنے والے کا منشا اصلاً کھانے کی اہمیت پر زور دینا تھا۔ "ایک دن" کا لفظ اس میں محض اضافی تھا۔ مگر سننے والے نے اسی لفظ کو لے لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بات اپنے رُخ سے ہٹ کر غیر متعلق پہلو کی طرف مڑ گئی۔ موصوف اگر کھانے کے "نعمت" کے پہلو کو ابھارتے تو یہ کہی ہوئی بات کی اقامت ہوتی۔ جب انھوں نے "ایک دن" کے پہلو کو لے کر اس پر تقریر شروع کر دی تو انھوں نے گویا اصل بات سے تفرق کیا۔ وہ شاہراہ کلام سے جدا ہو گئے۔

اب ایک اور مثال لیجئے۔ موجودہ زمانہ میں مسلمان تمام ملکوں میں کسی نہ کسی طاقت کے ظلم کا شکار ہو رہے ہیں۔ کہیں کسی اقتصادی طاقت کا، کہیں کسی اکثریتی طاقت کا، کہیں کسی سیاسی اور فوجی طاقت کا۔ اس مسئلہ کا حقیقی حل صرف اعداد قوت (انفال ۶۰) ہے۔ یعنی مسلمانوں کا طاقت ور ہونا۔ ظلم و زیادتی ہمیشہ بے طاقتی کی سزا ہوتی ہے اور اپنے آپ کو طاقت ور بنا کر ہی اس سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ طاقت ور بنانے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو باشعور بنایا جائے، ان میں باہمی اتحاد پیدا کیا جائے، ان کو جدید فکری اور عملی قوتوں سے مسلح کیا جائے۔ ان پہلوؤں سے تیار ہونے کا نام طاقت ور ہونا ہے اور جو قوم ان چیزوں میں طاقتور ہو جائے اس کے اوپر کوئی ظالم ظلم کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔ اس کے برعکس دوسرا طریقہ یہ ہے کہ احتجاج اور مطالبات کا لفظی طوفان برپا کیا جائے۔ جلسے جلوس کی دھوم مچائی جائے۔ تقریروں اور تجویزوں کا سیلاب بہایا جائے۔ مگر اس قسم کی تمام چیزیں محض وقتی ہنگامے ہیں جن کا کوئی بھی واقعی فائدہ قوم کو نہیں ملتا۔ ان دونوں طریقوں میں سے پہلا طریقہ ملت کی اقامت کا طریقہ ہے اور دوسرا طریقہ ملت کے مسئلہ سے تفرق کا۔ پہلا کام اصل کام ہے جب کہ دوسرا کام اصل کام کی نسبت سے غیر متعلق ہے، وہ اپنے انجام کے اعتبار سے ملت کے محاذ سے متفرق ہونا ہے نہ کہ ملت کے محاذ پر جد و جہد کرنا۔

ان مثالوں سے اقامت دین اور تفرق فی الدین کا مطلب سمجھا جا سکتا ہے۔ مذکورہ آیت میں "الدین" سے مراد وہ اصل دین ہے جو تمام نبیوں پر اترا۔ یعنی توحید۔ توحید سے مراد ہے ——— اللہ کو تنہا خالق اور مالک اور معبود جاننا، اسی پر بھروسہ کرنا، اسی سے ڈرنا اور اسی سے محبت کرنا، اپنے تمام بہترین جذبات کو اسی کی طرف متوجہ کر دینا۔ اپنا سب کچھ صرف اللہ کو بنا لینا۔ اللہ سے یہ وابستگی جب کسی کے اندر حقیقی معنوں میں پیدا ہوتی ہے تو وہی آدمی کی زندگی بن جاتی ہے۔ وہ اس کی پوری زندگی کو کچھ سے کچھ کر دیتی ہے۔ آدمی کا سوچنا، اس کا بولنا، اس کا عمل کرنا، اس کا لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنا، اس کا مختلف حالات میں ردعمل ظاہر کرنا، سب اسی کے تابع ہو جاتے ہیں۔ آدمی اندر سے باہر تک پوری طرح خدا کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔

الدین (توحید) کو اس طرح اپنے اندر سمونے کا نام اقامت دین ہے۔ یہ اقامت دین اولاً فرد کے اپنے اندر متحقق ہوتا ہے اور اس کے بعد حسب حالات اجتماعی زندگی میں ظاہر ہوتا چلا جاتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں تفرق فی الدین یہ ہے کہ اصل دین کے ارد گرد غیر متعلق بحثیں نکال کر اس کے پیچھے دوڑنا شروع کر دیا جائے۔ مثلاً اسلامی عقائد میں خود ساختہ کلامی بحثیں چھیڑنا، اسلامی عبادات میں بطور خود مسائل وضع کر کے فقہی جھگڑے کھڑے کرنا۔ اسلامی کیفیات پیدا کرنے کے نام پر نئے نئے "روحانی" نصاب بنانا اور لوگوں میں اس کو رواج دینا۔ اسی طرح یہ بھی تفرق فی الدین ہے کہ "توحید" کے علاوہ دوسری دوسری چیزوں کو عنوان بنا کر تحریکیں چلائی جائیں۔ مثلاً خدائی حکومت قائم کرنے کے نام پر، اسلام کی عظمت رفتہ کو واپس لانے کے نام پر، خیر الامم کو اس کے مقام بلند کی طرف لے جانے کے نام پر، فساد فی الارض اور طاغوتی نظام کو ختم کرنے کے نام پر وغیرہ۔ اقامت دین حقیقی معنوں میں موحد بننے کا نام ہے اور تفرق فی الدین دین کے نام پر دوسری چیزوں میں متفرق ہونے کا۔ قدیم حاملین شریعت اسی قسم کے تفرق میں مبتلا ہو گئے تھے، چنانچہ ان کے بارہ میں کہا گیا:

وما تفرق الذین اوتوا الکتٰب الا من بعد ماجاءتھم البینۃ۔ وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ وذلک دین القیمۃ (البینہ)

اور اہل کتاب واضح دلیل آنے کے بعد بھی دین میں متفرق ہو گئے۔ حالاں کہ ان کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی عبادت کریں دین کو اس کے لئے خالص کر کے، بالکل یک سو ہو کر۔ اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی ہے درست دین۔

دین اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے کسی قسم کے خارجی ہنگامے کا نام نہیں ہے بلکہ اللہ کی دنیا میں بسیرا لینے کا نام ہے۔ دین دار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی فطرت کی اس سطح پر جینے لگے جس سطح پر خدا کی دوسری مخلوقات جی رہی ہیں۔ اس کا شعور اللہ سے مل جائے۔ اس کی یادوں میں اللہ بسا ہوا ہو۔ اس کے پرشوق جذبات کا مرکز صرف اللہ بن جائے۔ جب کوئی شخص خدا کو اس طرح پاتا ہے تو وہی اس کا مطلوب و مقصود بن جاتا ہے۔ اس کی کی سرگرمیوں کا رخ تمام تر خدا کی طرف ہو جاتا ہے۔ اخلاق و معاملات میں وہ وہی کرنے لگتا ہے جو اس کا خدا اس سے چاہتا ہو، حتیٰ کہ اس وقت بھی جب کہ اپنے جذبات اور اپنی مصلحتوں کو اس کی خاطر قربان کر دینا پڑے۔

قرآن میں یہود و نصاریٰ کو خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے: اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان کی برائیاں ان سے دور کر دیتے اور ان کو نعمت بھری جنتوں میں داخل کرتے۔ اور اگر وہ قائم کرتے تورات اور انجیل کو اور جو ان کی طرف ان کے رب کے پاس سے اترا تو وہ کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے قدموں کے نیچے سے، ان میں کچھ لوگ سیدھی راہ پر ہیں اور بہت سے ان میں برے کام کر رہے ہیں (مائدہ ۶۶-۶۵) اس آیت میں ایمان و

تقویٰ اور تورات و انجیل کی اقامت دونوں کو ہم معنی الفاظ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے لئے آسمانی کتاب کی اقامت کا مطلب یہ تھا کہ وہ ایمان لائیں اور تقویٰ کی زندگی اختیار کریں۔ یہی سورہ شوریٰ میں اقامت دین کا مطلب بھی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی حقیقی معنوں میں اللہ کا مومن بن جائے اور دنیا کی زندگی میں اس سے ڈر کر رہنے لگے۔ صرف ایک اللہ اس کے ذہن کا اثاثہ اور اس کے قلب کا سرمایہ ہو۔ اس کا اللہ سے تعلق اتنا گہرا اور اتنا زندہ ہو کہ وہ اس کے اوپر مستقل نگراں بن جائے۔ پُرسکون حالات ہوں یا جذباتی ہیجان کا وقت ہو، ہر حال میں وہ اللہ سے ڈرے اور ہر معاملہ میں وہ اس کی مرضی کا پابند رہے۔

اقامت دین اصلاً انفرادی طور پر اللہ کے دین پر قائم ہونے کا نام ہے۔ مگر جب بہت سے افراد اللہ کے دین پر قائم ہو جائیں تو حالات کے بقدر اس کے اجتماعی نتائج بھی ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں، ٹھیک ویسے ہی جیسے ایک درخت ہو تو وہ صرف ایک درخت ہے اور بہت سے درخت ہوں تو ان کا باغ بن جاتا ہے۔ تاہم اجتماعی چیزیں اقامت دین کا بالواسطہ نتیجہ ہیں نہ کہ اس کا براہ راست حکم۔

تفرق فی الدین کا مطلب دین سے الگ ہونا نہیں ہے بلکہ دین کی شاہراہ سے الگ ہونا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے قرآن کی ایک آیت پر غور کیجئے۔ قرآن کی سورہ نمبر ۶ میں ارشاد ہوا ہے: "کہو، آؤ میں تم کو سناؤں وہ چیزیں جو تم پر تمھارے رب نے حرام کی ہیں۔ یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی۔ اور بے شرمی کی باتوں کے قریب نہ جاؤ خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی۔ اور کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے ہلاک نہ کرو مگر حق کے ساتھ۔ یہ باتیں ہیں جن کا اللہ نے تمھیں حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھ سے کام لو۔ اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریق پر جو بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی پختگی کو پہنچ جائے۔ اور ناپ تول میں پورا انصاف کرو، ہم کسی شخص پر اس کے تحمل سے زیادہ بوجھ نہیں رکھتے۔ اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار کا کیوں نہ ہو۔ اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ ان باتوں کا اللہ نے تمھیں حکم دیا ہے تاکہ نصیحت پکڑو۔ اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے پس تم اسی پر چلو اور دوسری راہوں پر نہ چلو کہ وہ تم کو اللہ کے راستہ سے جدا کر دیں گی۔ اللہ نے تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم بچو (انعام ۵۳-۱۵۲)

اس سے معلوم ہوا کہ دین کی ایک شاہراہ ہے اور اس کے دائیں بائیں بہت سی پگڈنڈیاں نکلتی ہیں۔ مومن وہ ہے جو شاہراہ پر چلے اور اِدھر اُدھر کی پگڈنڈیوں میں نہ کھو جائے۔ دین کی شاہراہ یہ ہے کہ آدمی صرف ایک خدا سے اپنا تعلق جوڑے، خدا کی خدائی میں کسی اور کو شامل نہ کرے۔ یہی توحید ہے۔ یہ توحید جب کسی کے اندر پیدا ہو جائے تو اس کے اندر ایک نیا شعور ابھر آتا ہے۔ وہ اللہ سے ڈرتا ہے اور اسی پر سب سے زیادہ

بھروسہ کرتا ہے۔ اس کا خوف خدا اور اس کا اعتماد علی اللہ اس کی زندگی میں اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے والدین اور یتیموں اور عام انسانوں کے بارے میں حد درجہ محتاط انسان بن جاتا ہے۔ رزق کے معاملہ میں وہ اپنے کو پوری طرح حلال دائرہ میں محدود رکھتا ہے۔ بیہودہ کام کرنا اس کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے کیوں کہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ اس کا خدا اس کو دیکھ رہا ہے۔ کسی کو دینا ہو یا کسی سے لینا ہو ہر حال میں وہ انصاف پر قائم رہتا ہے۔ اس کی زبان کھلتی ہے تو سچائی کے لئے کھلتی ہے نہ کہ بے جا حمایت یا بے جا مخالفت کے لئے۔ اس کا تعلق باللہ اس کے اور خدا کے درمیان ایک خاموش عہد بن جاتا ہے جس کو وہ کبھی نہ توڑے خواہ اس کے لئے اس کو اپنے آپ پر کتنا ہی جبر کرنا پڑے۔

یہ دین کی شاہراہ پر قائم ہونا ہے۔ اس کے مقابلہ میں دین کی شاہراہ سے جدا ہونا یہ ہے کہ آدمی مذکورہ چیزوں میں نئی نئی شاخیں نکال کر ان کی دینی اہمیت ثابت کرے اور ان کی طرف دوڑنا شروع کر دے۔ مثلاً اس کا دل اللہ کی کبریائی کے جذبہ سے سرشار نہ ہو البتہ "رجال اللہ" اور "اسلامی شخصیتوں" کے ساتھ والہانہ عقیدت کا اظہار اس کا محبوب مشغلہ بنا ہوا ہو۔ تنہائیوں میں اللہ کے ڈر سے اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے نہ ہوتے ہوں البتہ "لاؤڈ اسپیکر" کی سطح پر وہ خوب اللہ کے نام کی دھوم مچاتا ہو۔ عبادات میں انابت و تضرع پیدا کرنے کا دھیان اس کو نہ ہو البتہ مسائلِ عبادت میں طرح طرح کی موشگافیاں پیدا کرنے کا وہ ماہر بنا ہوا ہو۔ وہ اپنے صاحب معاملہ کے ساتھ انصاف نہ کرے البتہ خارجی دنیا میں عدل وانصاف کا نظام قائم کرنے کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہو۔ وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کے لئے تیار نہ ہو البتہ دوسروں کے ظلم و بربریت کا اعلان کرنے میں سب سے آگے بڑھ جانا چاہتا ہو۔ وہ اپنے پڑوسی کی مدد نہ کرے البتہ دور کے مسائل پر تقریر کرتے سے اس کی زبان کبھی نہ تھکتی ہو۔ اس کا دل اللہ کی یاد سے خالی ہو البتہ ذکر کے نام پر الفاظ کی تکرار کرنے میں لاکھوں کا عدد بھی اس کے لئے ناکافی ثابت ہو رہا ہو۔ اپنی نماز میں خشوع پیدا کرنے کی اسے فکر نہ ہو البتہ مسجدوں کی آرائش و زیبائش کا وہ خوب اہتمام کرتا ہو۔ اپنے کمزور دینی بھائی کے حقوق اس کو یاد نہ آئیں البتہ بڑی بڑی شخصیتوں کے ساتھ اسلامی اخوت کا مظاہرہ کرنا وہ کبھی نہ بھولتا ہو۔ اپنے نفس کو خدا کے آگے جھکانے کا اسے شوق نہ ہو البتہ ساری دنیا کو خدا کے آگے جھکانے کا وہ مجاہد بنا ہوا ہو۔ اس قسم کی تمام صورتیں تفرق فی الدین کی صورتیں ہیں۔ ان کو خواہ جس نام پر بھی کیا جائے اور ان کے ساتھ کیسی ہی خوش فہمیاں وابستہ کی جائیں وہ خدا کے یہاں مقبول دین کی حیثیت سے لکھی نہیں جا سکتیں۔

دین کے راستہ سے متفرق ہونا ایسا ہی ہے جیسے ٹرین کا اپنی پٹری سے اتر جانا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی تجدید ایمان کے نام پر اٹھے اور پھر کلمہ کی تصحیح اور اس کے طلسماتی خواص پر پوری تحریک چلا دے۔ وہ اسلام کو سربلند کرنے کا مدعی ہو اور پھر سیاسی کارروائیوں اور احتجاجی جلسوں کے رخ پر دوڑ پڑے۔ وہ دینی تعلیم کو اپنا مقصد بتائے اور پھر گروہی نزاعات اور تعصبات میں قوم کو الجھا دے۔ وہ احیائے ملت کا اعلان کرے اور پھر تقریر اور بیانات کے لفظی مشغلہ میں مصروف ہو جائے۔

الفاظ ، الفاظ ، الفاظ

" سیکولر اور جمہوری قوتوں کو منظم کیجئے "
" خیر پسند اور شر بیزار انسانوں کو پکارئے "
" ووٹوں کی طاقت کو دباؤ کی سیاست کے لئے استعمال کیجئے "
" جلسوں اور کانفرنسوں کے ذریعہ اپنی آواز بلند کیجئے "
" اپنے حقوق کے لئے احتجاج اور مطالبات کی دھوم مچائیے "
" ظالمانہ حکومت کو متحدہ طاقت سے اکھاڑ پھینکئے "
" جمعہ کے روز مسجدوں اور مدرسوں میں یوم دعا منائیے "
" لوگوں کے دلوں کے دروازہ پر دستک دیجئے "

ہر روز کاغذ کے لاکھوں ورق اس قسم کے الفاظ سے سیاہ ہو رہے ہیں۔ اور بے شمار لاؤڈ اسپیکر ہر دن ان کو فضا میں بکھیر رہے ہیں۔ مگر ان کوششوں سے اتنا فائدہ بھی حاصل نہیں ہوتا جتنا قوم کی جیب سے ان پر خرچ کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب الفاظ کی پہلوانی ہے اور الفاظ کی پہلوانی کسی قوم کو حقیقت کی دنیا کا سورما نہیں بنا سکتی۔

فرض نماز کا وقت ہو جائے اور مسجد سے آواز بلند ہو: حَیَّ علی الصلوٰۃ (آؤ نماز کی طرف) تو اس وقت عبادت الٰہی کا مقام مسجد ہوتا ہے۔ ہر شخص کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ مسجد میں آکر اپنے عابد ہونے کا ثبوت دے۔ اس کے برعکس اگر ایک شخص ایسا کرے کہ عین اس وقت مسجد کے باہر میدان میں شامیانہ لگائے اور لاؤڈ اسپیکر پر "فلسفۂ عبادت" کے موضوع پر لمبی تقریر شروع کر دے تو یہ اس کے عابد ہونے کا ثبوت نہ ہوگا بلکہ صرف ظالم ہونے کا ثبوت ہوگا۔ کیوں کہ اس وقت کسی کے لئے اپنے عابد ہونے کا ثبوت دینے کا مقام مسجد ہے نہ کہ جلسہ گاہ میں عبادت کے عنوان پر شاندار تقریر۔

اس قسم کی غیر مطلوب عبادت آج لوگوں کے اندر بہت بڑے پیمانہ پر جاری ہے۔ دور کے "مظلومین" کے بارے میں تجویزیں اور بیانات چھپ رہے ہیں۔ حالاں کہ مظلوموں سے ہمدردی کا ثبوت دینے کا مقام سب سے پہلے آدمی کا اپنا پڑوس ہے۔ دوسروں کو انسانیت اور اخلاق کا سبق دینے کے لئے کانفرنسیں منعقد کی جارہی ہیں۔ حالاں کہ انسانیت دوست اور با اخلاق حقیقۃً وہ ہے جو خود اپنے معاملات میں انسانی اور اخلاقی اصولوں کی پیروی کرے۔ ملت کو بچاؤ کا نعرہ ہر ایک لگا رہا ہے مگر فرد کو بچانے اور اس کے حقوق ادا کرنے کی فرصت کسی کو نہیں۔ آدمی اپنے خدا پرست ہونے کا ثبوت وہاں دینا چاہتا ہے جہاں اس کی خدا پرستی ایک شان دار چیز بن کر لوگوں سے خراج تحسین حاصل کرے، حالاں کہ اس کا خدا جہاں اس کی خدا پرستی کا امتحان لینے کے لئے کھڑا ہوا ہے وہ مقامات وہ ہیں جہاں سب کچھ کر کے بھی آدمی کو کوئی عزت اور شہرت حاصل نہیں ہوتی۔

ایجنسی: ایک تعمیری اور دعوتی پروگرام

الرسالہ عام معنوں میں صرف ایک پرچہ نہیں، وہ تعمیر ملت اور احیاء اسلام کی ایک مہم ہے جو آپ کو آواز دیتی ہے کہ آپ اس کے ساتھ تعاون فرمائیں۔ اس مہم کے ساتھ تعاون کی سب سے آسان اور بے ضرر صورت یہ ہے کہ آپ الرسالہ کی ایجنسی قبول فرمائیں۔

"ایجنسی" اپنے عام استعمال کی وجہ سے کاروباری لوگوں کی دلچسپی کی چیز سمجھی جانے لگی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایجنسی کا طریقہ دور جدید کا ایک مفید عطیہ ہے جس کو کسی فکر کی اشاعت کے لئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کسی فکری مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنے کی یہ ایک انتہائی ممکن صورت ہے اور اسی کے ساتھ اس فکر کو پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کرنے کی ایک بے ضرر تدبیر بھی۔

تجربہ یہ ہے کہ بیک وقت سال بھر کا زر تعاون روانہ کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ مگر پرچہ سامنے موجود ہو تو ہر مہینے ایک پرچہ کی قیمت دے کر وہ بآسانی اس کو خرید لیتے ہیں۔ ایجنسی کا طریقہ اسی امکان کو استعمال کرنے کی ایک کامیاب تدبیر ہے۔ الرسالہ کی تعمیری اور اصلاحی آواز کو پھیلانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ اس کی ایجنسی قائم کی جائے۔ بلکہ ہمارا ہر ہمدرد اور متفق اس کی ایجنسی لے۔ یہ ایجنسی گویا الرسالہ کو اس کے متوقع خریداروں تک پہنچانے کا ایک کارگر درمیانی وسیلہ ہے۔

وقتی جوش کے تحت لوگ ایک "بڑی قربانی" دینے کے لئے بآسانی تیار ہوجاتے ہیں۔ مگر حقیقی کامیابی کا راز ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں میں ہے جو سنجیدہ فیصلہ کے تحت لگاتار دی جائیں۔ ایجنسی کا طریقہ اس پہلو سے بھی اہم ہے یہ ملت کے افراد کو اس کی مشق کراتا ہے کہ ملت کے افراد چھوٹے چھوٹے کاموں کو کام سمجھنے لگیں۔ ان کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہو کہ وہ مسلسل عمل کے ذریعہ نتیجہ حاصل کرنا چاہیں نہ کہ یکبارگی اقدام سے۔

ایجنسی کی صورتیں

پہلی صورت ـــــــ الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ مطلوبہ پرچے کمیشن وضع کرکے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت ہر شخص ایجنسی لے سکتا ہے۔ اگر اس کے پاس کچھ پرچے فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں تو اس کو پوری قیمت کے ساتھ واپس لے لیا جائے گا۔

دوسری صورت ـــــــ الرسالہ کے پانچ پرچوں کی قیمت بعد وضع کمیشن ساڑھے سات روپیہ ہوتی ہے۔ جو لوگ صاحب استطاعت ہیں وہ اسلامی خدمت کے جذبہ کے تحت اپنی ذمہ داری پر پانچ پرچوں کی ایجنسی قبول فرمائیں۔ خریدار ملیں یا نہ ملیں، ہر حال میں پانچ پرچے منگوا کر ہر ماہ لوگوں کے درمیان تقسیم کریں۔ اور اس کی قیمت خواہ سالانہ نوے روپے یا ماہانہ ساڑھے سات روپے دفتر الرسالہ کو روانہ فرمائیں۔

عصری اسلوب میں

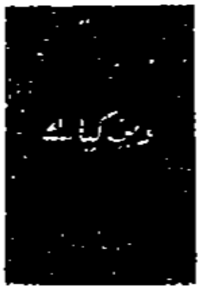

دین کیا ہے

صفحات ۳۲ قیمت ۱/۵۰

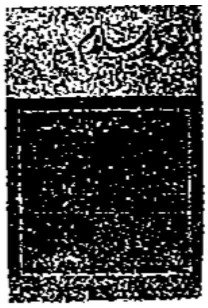

ظہورِ اسلام

صفحات ۲۰۰ قیمت -/۱۵

تاریخ کا سبق

صفحات ۴۸ قیمت -/۲

تعمیرِ ملت

صفحات ۴۸ قیمت -/۲

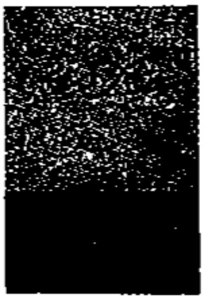

عقلیاتِ اسلام

صفحات ۴۸ قیمت -/۲

الاسلام

صفحات ۱۷۶ قیمت -/۱۵

مکتبہ الرسالہ جمعیتہ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۱۱۰۰۰۶

سلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

مذہب اور جدید چیلنج

صفحات ۲۲۴ قیمت -/۱۵

زلزلۂ قیامت

صفحات ۶۴ قیمت -/۳

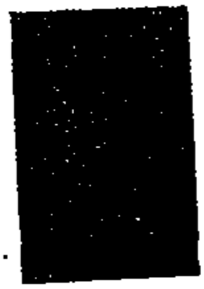

اسلامی دعوت

صفحات ۴۸ قیمت -/۲

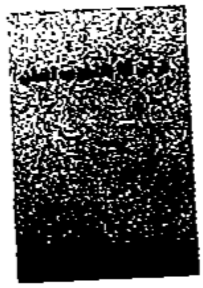

قرآن کا مطلوب انسان

صفحات ۸۰ قیمت -/۴

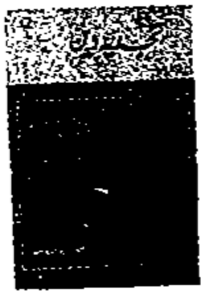

تجدیدِ دین

صفحات ۴۸ قیمت -/۲

اسلام دینِ فطرت

صفحات ۴۸ قیمت -/۲

MAKTABA AL-RISALA, Jamiat Building, Qasimjan Street, Delhi-6

کیا
آپ کی روزانہ کی خوراک سے
آپ کے بدن کو پُوری قوّت اور
پُورا فائدہ مِلتا ہے؟

اپنی روزمرّہ خوراک سے صحیح تغذیہ حاصل کرنا
اِس بات پر منحصر ہے کہ آپ کا نظامِ ہضم کتنا
ٹھیک اور طاقتور ہے۔

سنکارا ہی ایک ایسا ٹانک ہے جس میں
طاقت دینے والے ضروری وٹامنوں اور معدنی
اجزاء کے ساتھ چھوٹی الائچی، لونگ، دھنیا،
دارچینی، تیزپات، تلسی وغیرہ جیسی چودہ[14] جڑی
بوٹیاں شامل ہیں۔ اِس مرکب سے آپ کے
نظامِ ہضم کو طاقت ملتی ہے اور آپ کا بدن
اس کی مدد سے آپ کی روزمرّہ خوراک سے
صحیح تغذیہ اور بھرپور قوت حاصل کرتا ہے۔

سنکارا

ہر موسم اور ہر عمر میں
سَب کے لیے بے مثال ٹانک

ہمدرد

HD-5949 AU

REGD. R. N. NO. 28822/76
REGD. D. (D) NO. 532

OCTOBER 1980
ISSUE NO. 47

AL-RISALA MONTHLY

JAMIAT BUILDING QASIMJAN STREET DELHI-110006 (INDIA) PHONE 232231